قسط اول

ابوالائمہ کے تعلیمات

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء مولانا سید علی نقی نقوی طاب ثراہ

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ علی سید المرسلین وآلہ الطاہرین۔

اس کے قبل ''نہج البلاغہ کا استناد'' دنیائے تحقیق میں پیش کیا جاچکا ہے جس میں علمائے اسلام اور مستند ارباب قلم کے بیانات سے کتاب ''نہج البلاغہ'' کا اعتبار اور اس کے مندرجات کا کلام امیرالمومنینؑ ہونا ثابت ہوچکا اور معلوم ہوا کہ انصاف پسند اور محقق علمائے اہل سنت نے نہج البلاغہ کو امیرالمومنینؑ کا کلام تسلیم کیا ہے۔ رسالتمآبؐ کی مشہور ومتواتر حدیث **عَلِیٌّ مَعَ الْحَقِّ وَالْحَقُّ مَعَ عَلِیٍّ** کی بنا پر مسلمانوں کے لئے اب یہ کھلا ہوا راستہ تھا کہ وہ حقانیت کے راستے میں اس کتاب کو اپنا پیشوا بناتے اور جس قسم کے تعلیمات اس کتاب سے مستفاد ہوتے ان کو اپنے سر اور آنکھوں پر رکھ کر ان کو اپنا سرمایۂ ایمان واعتقاد قرار دیتے لیکن افسوس ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔ مسلمانوں نے زیادہ تر اس خزانۂ تحقیقات ومعارف سے چشم پوشی کرنا ہی اپنے لئے بہتر سمجھا۔ خدا نیک بدلا دے شیخ محمد عبدہٗ مفتی دیار مصریہ کو جنھوں نے اپنی بلند نظری اور حقیقت پسندی سے اس کتاب کو اپنے مخصوص حواشی کے ساتھ مصر میں شائع کردیا جس کے بعد موصوف کی شخصیت اور مسلمہ مرجعیت اور قابلیت کی بناء پر عام اشخاص کو بھی وہ ہاتھوں ہاتھ لینا پڑی اور اس طرح کئی مرتبہ اس کے چھپنے کی مصر وبیروت میں نوبت آئی، نہیں تو جامعہ اسلامی کا بڑا طبقہ اس کتاب کی صورت سے بھی واقف نہ ہوتا۔

بیشک شیعی طبقہ جس نے شروع ہی سے ائمہ اہلبیت کے اقوال وہدایات کی پیروی اختیار کی تھی اس نے امیرالمومنینؑ کے ان گرانقدر افادات سے بیش قرار فائدہ اٹھایا۔ اور وہ انھیں پورے طور سے مرکز توجہ قرار دیئے رہے۔

نہج البلاغہ کے تعلیمات اتنے وسیع جامع اور محیط ہیں جو عالم مذہبیات کے تمام شعبوں پر حاوی ہیں اور اس لئے شروع سے لیکر آخر تک تمام مذہبی تعلیمات اور اہم اصول وعقائد کے لئے وہ معیار بننے کے قابل ہیں۔

چنانچہ اس موقع پر ہم نہج البلاغہ کے مندرجہ مضامین کو جو مختلف مسائل مذہب میں فیصلہ کن حیثیت رکھتے ہیں ایک مرتب نظام کے ساتھ درج کرتے ہیں جس سے ثابت ہوگا کہ مذہب شیعہ کے اصول کس درجہ امیرالمومنینؑ کے حقائق آموز تعلیمات کے مطابق ہیں۔

۱-توحید

خدا کے لئے ذات سے جداگانہ صفات کی نفی

نہج البلاغہ مطبوعہ مصر ص ۱۶۔

اَوَّلُ الدِّیْنِ مَعْرِفَتُهٗ وَکَمَالُ مَعْرِفَتِهِ التَّصْدِیْقُ بِهٖ وَکَمَالُ التَّصْدِیْقِ بِهٖ تَوْحِیْدُهٗ، وَکَمَالُ تَوْحِیْدِهِ الْاِخْلَاصُ وَکَمَالُ الْاِخْلَاصِ لَهٗ نَفْیُ الصِّفَاتِ عَنْهُ لِشَهَادَةِ کُلِّ صِفَةٍ اَنَّهَا غَیْرُ الْمَوْصُوْفِ وَشَهَادَةِ کُلِّ مَوْصُوْفٍ اَنَّهٗ غَیْرُ الصِّفَةِ فَمَنْ وَصَفَ اللهَ سُبْحَانَهٗ فَقَدْ قَرَنَهٗ وَمَنْ قَرَنَهٗ فَقَدْ ثَنَّاهُ۔

''دین کی پہلی منزل خدا کی معرفت ہے اور معرفت کا اہم جزو تصدیق ہے اس کی اور تصدیق کا اہم جزو توحید ہے اس کی اور توحید کا اہم جزو اخلاص ہے اس کے لئے اور اخلاص کا اہم جزو یہ

ہے کہ اس کے لئے ذات سے ماسوا صفت کا انکار کرے اس لئے کہ صفت کا مفہوم بولتا ہے کہ وہ موصوف کا غیر ہے اور موصوف کا مفہوم کہتا ہے کہ وہ صفت کے علاوہ ہے تو جس نے خدا کے لیے صفت ثابت کی اس نے خدا کا ہمسر بنادیا اور جس نے خدا کا ہمسر بنایا اس نے اس کو دو سمجھ لیا (ایک ذات اور ایک صفت لہٰذا توحید ہاتھ سے گئی)

ص ۲۹۴/ مَنْ وَصَفَهُ فَقَدْ حَدَّهُ وَمَنْ حَدَّهُ فَقَدْ عَدَّهُ وَمَنْ عَدَّهُ فَقَدْ أَبْطَلَ أَزَلَهُ۔

''جس نے خدا کے لئے صفت ثابت کی اس نے اسے محدود بنادیا (کیونکہ ذات الٰہی کو خود اس نے کمالات سے عاری مانا اور اس کو محتاج اپنے کمالات میں اوصاف کا قرار دیا، اور جس نے اس کو محدود بنادیا وہ اس کو دوسرے تمام اشیاء کی قطار میں لے آیا اور جو اس کو دوسرے اشیاء کے شمار میں لے آیا اس نے اس کے ازلی اور قدیم ہونے کو غلط ٹھہرادیا)۔ کیونکہ وہ محتاج ہے اور جو محتاج ہے وہ حادث ہے قدیم نہیں)

۲۔ خدا کا کوئی مکان اور محل نہیں

ص ۱۷ مَنْ قَالَ فِيمَ فَقَدْ ضَمَّنَهُ وَمَنْ قَالَ (عَلَامَ) فَقَدْ أَخْلَى مِنْهُ۔

''جو شخص کہے کہ وہ کاہے میں ہے؟ تو اس نے خدا کو کسی شے کے ضمن میں فرض کرلیا (اور یہ صحیح نہیں اس لئے کہ خدا محدود نہیں ہے) اور جو شخص کہے کہ وہ کاہے کے اوپر ہے؟ تو اس نے اس سے خالی حدود بھی فرض کرلئے (حالانکہ وہ کسی جگہ سے خصوصیت نہیں رکھتا۔ ہر جگہ ہے اور کہیں نہیں ہے۔''

ص ۳۵۳ لَا يَشْغَلُهُ شَأْنٌ وَلَا يُغَيِّرُهُ زَمَانٌ وَلَا يَحْوِيهِ مَكَانٌ۔

''اس کو کوئی حالت متفرق نہیں کرسکتی اور نہ امتداد زمانہ اس میں تغیر پیدا کرسکتا ہے اور نہ کوئی مکان اس کو شامل ہوسکتا ہے۔''

۳۔ نفی رویت

یعنی خدا دیکھنے کی چیز نہیں ہے

ص ۱۷۵، اَلْأَوَّلُ الَّذِي لَمْ يَكُنْ لَهُ قَبْلٌ فَيَكُونَ شَيْءٌ قَبْلَهُ وَالْآخِرُ الَّذِي لَيْسَ لَهُ بَعْدٌ فَيَكُونَ شَيْءٌ بَعْدَهُ وَالرَّادِعُ أَنَاسِيَّ الْأَبْصَارِ عَنْ أَنْ تَنَالَهُ أَوْ تُدْرِكَهُ۔

''اول ہے ایسا جس کی کوئی ابتداء نہیں تاکہ کوئی شئے اس کے قبل فرض کی جاسکے اور آخر ہے ایسا کہ اس کے لئے انتہا نہیں تاکہ کوئی شے اس کے بعد خیال کی جاسکے۔ وہ جو روکنے والا ہے مردمک چشم کو اس بات سے کہ وہ اسے پاسکیں یا اس تک پہونچ سکیں۔

ص ۳۰۹ أَنَّكَ حَيٌّ قَيُّومٌ لَا تَأْخُذُكَ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ لَمْ يَنْتَهِ إِلَيْكَ نَظَرٌ وَلَمْ يُدْرِكْكَ بَصَرٌ أَدْرَكْتَ الْأَبْصَارَ وَأَحْصَيْتَ الْأَعْمَالَ۔

''خداوندا تو زندہ ہے۔ قائم ودائم ہے، نہ تیرے لئے غنودگی ہے نہ نیند۔ تجھ تک کوئی نظر پہونچ نہ سکی۔ اور تجھ کو کوئی بصارت پا نہیں سکی۔ بیشک تو نے تمام نظروں کا احاطہ کیا اور تمام لوگوں کی عمر کا جائزہ لیا ہے۔''

ص ۳۵۵ لَا تُدْرِكُهُ الْعُيُونُ بِمُشَاهَدَةِ الْعِيَانِ وَلَكِنْ تُدْرِكُهُ الْقُلُوبُ بِحَقَائِقِ الْإِيمَانِ۔

''اس کو ظاہری آنکھیں اپنے مشاہدہ سے دیکھ نہیں سکتیں لیکن دل ہیں جو اس کو ادراک کرتے ہیں حقیقت ایمان کے ذریعہ سے۔''

ص ۳۶۷ اَلْحَمْدُ لِلَّهِ الْمَعْرُوفِ مِنْ غَيْرِ رُؤْيَةٍ وَالْخَالِقِ مِنْ غَيْرِ مَنْصَبَةٍ۔

''ستائش اس خدا کے لئے جو بغیر دیکھے پہچانا جاتا ہے۔ اور بغیر کسی تھکن، مشقت کے خلق کرنے والا ہے۔''

ص ۳۷۲ اَلْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَا تُدْرِكُهُ الشَّوَاهِدُ وَلَا تَحْوِيهِ الْمَشَاهِدُ وَلَا تَرَاهُ النَّوَاظِرُ وَتَحْجُبُهُ السَّوَاتِرُ۔

''ستائش اس خدا کے لئے جس کو مشاہدات پا نہیں سکتے اور جسمانی مناظر جس کو سما نہیں سکتے اور آنکھیں جس کو دیکھ نہیں

سکتیں اور پردے جس کو مخفی نہیں کر سکتے۔"

۴- خدا کو جزئیات کا علم

مسلمانوں کے بہت سے افراد نے باتباع بعض فلاسفہ یہ سمجھ لیا کہ خداوند عالم کو کلیات کا علم تو ہوتا ہے۔ مگر جزئیات اس کے دائرہ علم سے خارج ہیں۔ جزئیات کے ساتھ علم الٰہی کے متعلق ہونے میں ان کو بڑی دشواریاں نظر آئیں جن کا واحد حل ان کو یہی نظر آیا کہ خدا کے علم کو محدود بنا دیں۔ حالانکہ عقل خدا کی ذات کے کامل ہونے کا فیصلہ کرکے جزئیات سے اس کے علم کے متعلق نہ ہونے کو بہت بڑا نقص سمجھتی ہے جو کسی طرح خدا کی طرف منسوب نہیں ہوسکتا۔

ان کی مزعومہ دشواریاں غور کرنے کے بعد سراب سے زیادہ اصلیت نہیں رکھتیں۔ جزئیات کو متغیر دیکھ کر انھیں خداوند عالم کے قدم ذاتی کو خطرہ نظر آئے لیکن حقیقت یہ ہے کہ معلومات کے تغیر یا حدوث سے علم اور عالم پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ تجدد و حدوث معلوم میں ہے علم میں نہیں ہے۔

اہل حق کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا کا علم محیط ہے۔ کوئی شئے اس کے علم سے خارج نہیں ہے۔ جزئیات ہوں یا کلیات سب یکساں طور پر اس کے دائرہ علم میں داخل ہیں۔

نہج البلاغہ میں متعدد مقامات پر اس حقیقت کو بیان فرمایا گیا ہے اور خدا کے احاطۂ علمی کی مکمل طور سے الفاظ کے اعجاز میں تصویریں کھینچی گئی ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

ص ۱۴۴ اَحَاطَکُمْ بِالْاِحْصَآءِ وَاَرْصَدَلَکُمُ الْجَزَاءَ اٰثَرَكَ بِالنِّعَمِ السَّوَابِغِ وَالرِّفَدِ الرَّوَافِغِ وَاَنْذَرَکُمْ بِالْحُجَجِ الْبَوَالِغِ وَاَحْصَاکُمْ عَدَدًا وَوَظَّفَ لَکُمْ مُدَداً۔

خدا نے تمہارا پورا جائزہ لیکر تم کو اپنے گھیرے میں لے لیا ہے اور تمہارے لئے جزاء اخروی کے مواقع فراہم کئے ہیں اور تمہیں کامل نعمتوں اور مکمل انعامات کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ اور تم کو کامیاب دلائل کے ساتھ اپنا خوف دلایا ہے اور تمہاری مردم شماری پوری پوری کرکے تمہارے لئے وظیفے مقرر کئے ہیں۔

ص ۱۷۳ قَسَمَ اَرْزَاقَهُمْ وَاَحْصٰى اٰثَارَهُمْ وَاَعْمَالَهُمْ وَعَدَدَ اَنْفَاسِهِمْ وَخَائِنَةَ اَعْيُنِهِمْ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ مِنَ الضَّمِيْرِ وَمُسْتَقَرَّهُمْ وَمُسْتَوْدَعَهُمْ مِنَ الْاَرْحَامِ وَالظُّهُوْرِ اِلٰى اَنْ تَتَنَاهٰى بِهِمُ الْغَايَاتُ۔

"اس نے تمام لوگوں کے رزق تقسیم کئے اور ان کے باقی ماندہ نشانوں اور کارگذاریوں اور ان کی سانسوں کی تعداد اور آنکھوں کی چشمکوں اور دل کے چھپے ہوئے خیالات اور جہاں ان کے نطفوں کی قرارگاہیں اور امانت رکھے جانے کی جگہیں تھیں ماؤں کے شکم اور آباؤ اجداد کی پشت میں یہاں تک کہ انھیں خلقت کے حدود اپنی انتہا تک پہونچائیں ان تمام باتوں کا وہ پورا پورا جائزہ لئے ہوئے ہے۔

ص ۱۹۴ عَالِمُ السِّرِّ مِنْ ضَمَائِرِ الْمُضْمِرِيْنَ وَنَجْوَى الْمُتَخَافِتِيْنَ وَخَوَاطِرِ رَجْمِ الظُّنُوْنِ وَعُقَدِ عَزِيْمَاتِ الْيَقِيْنِ وَمَسَارِقِ اِيْمَاضِ الْجُفُوْنِ وَمَا ضَمِنَتْهُ اَكْنَانُ الْقُلُوْبِ وَغَيَابَاتُ الْغُيُوْبِ وَمَا اَصْغَتْ لِاسْتِرَاقِهِ مَصَائِخُ الْاَسْمَاعِ وَمَصَائِفُ الذَّرِّ وَمَشَاتِي الْهَوَامِّ وَرَجْعِ الْحَنِيْنِ مِنَ الْمُوْلَهَاتِ وَهَمْسِ الْاَقْدَامِ وَمُنْفَسَحِ الثَّمَرَةِ مِنْ وَلَائِجِ غُلُفِ الْاَكْمَامِ وَمُنْقَمَعِ الْوُحُوْشِ مِنْ غِيْرَانِ الْجِبَالِ وَاَوْدِيَتِهَا وَمُخْتَبَاِ الْبَعُوْضِ بَيْنَ سُوْقِ الْاَشْجَارِ وَاَلْحِيَتِهَا وَمَغْرِزِ الْاَوْرَاقِ مِنَ الْاَفْنَانِ وَمَحَطِّ الْاَمْشَاجِ مِنْ مَسَارِبِ الْاَصْلَابِ وَنَاشِئَةِ الْغُيُوْمِ وَمُتَلَاحِمِهَا وَدُرُوْدِ قَطْرِ السَّحَابِ فِيْ مُتَرَاكِمِهَا وَمَا تَسْفِي الْاَعَاصِيْرُ بِذُيُوْلِهَا وَتَعْفُو الْاَمْطَارُ بِسُيُوْلِهَا وَعَوْمِ بَنَاتِ الْاَرْضِ فِيْ كُثْبَانِ الرِّمَالِ وَمُسْتَقَرِّ ذَوَاتِ الْاَجْنِحَةِ بِذُرٰى شَنَاخِيْبِ الْجِبَالِ وَتَغْرِيْدِ ذَوَاتِ الْمَنْطِقِ فِيْ دَيَاجِيْرِ الْاَوْكَارِ وَمَا اَوْعَبَتْهُ الْاَصْدَافُ وَحَضَنَتْ عَلَيْهِ اَمْوَاجُ الْبِحَارِ وَمَا غَشِيَتْهُ سُدْفَةُ لَيْلٍ اَوْذَرَّ عَلَيْهِ شَارِقُ نَهَارٍ

وَمَا اَعْتَقَبَتْ عَلَيْهِ اَطْبَاقُ الدَّيَاجِيْرِ وَسُبُحَاتُ النُّوْرِ وَاَثَرِ كُلِّ خَطْوَةٍ وَحِسِّ كُلِّ حَرْكَةٍ وَرَجْعِ كُلِّ كَلِمَةٍ وَتَحْرِيْكِ كُلِّ شَفَةٍ وَمُسْتَقَرِّ كُلِّ نَسَمَةٍ وَمِثْقَالِ كُلِّ ذَرَّةٍ وَهَمَاهِمِ كُلِّ نَفْسٍ هَامَّةٍ وَمَا عَلَيْهَا مِنْ ثَمَرِ شَجَرَةٍ اَوْسَاقِطِ وَرَقَةٍ اَوْقَرَارَةِ نُطْفَةٍ اَوْنُقَاعَةِ دَمٍ وَمُضْغَةٍ اَوْنَاشِئَةِ خَلْقٍ وَسُلَالَةٍ لَمْ يَلْحَقْهُ فِيْ ذٰلِكَ كَلْفَةٌ وَلَا اعْتَرَضَتْهُ فِيْ حِفْظِ مَاابْتَدَعَ مِنْ خَلْقِهٖ عَارِضَةٌ وَلَا اعْتَوَرَتْهُ فِيْ تَنْفِيْذِ الْاُمُوْرِ وَتَدَابِيْرِ الْمَخْلُوْقِيْنَ مَلَالَةٌ وَلَا فَتْرَةٌ بَلْ نَفَذَ هُمْ عِلْمُهٗ وَاَحْصَاهُمْ عَدَدُهٗ وَوَسِعَهُمْ عَدْلُهٗ وَغَمَرَهُمْ فَضْلُهٗ مَعَ تَقْصِيْرِهِمْ عَنْ كُنْهِ مَاهُوَ اَهْلُهٗ۔

''وہ ہر پوشیدہ بات کا جاننے والا ہے جیسے تصور کرنے والوں کے قلبی تصورات، سرگوشی کرنے والوں کی رازداریاں، توہمات وخیالات کی گردشیں، مضبوط یقینی عقیدوں کی بندشیں، دزدیدہ نگاہوں کی جنبشیں، دل کے پردوں کے بھید، اورغیب کی گہرائیوں کی باتیں، چوری چھپے کان لگا کر سنی جانے والی گفتگوئیں، چونٹیوں کی گرمی کے زمانہ کی قیام گاہ اور چوپایوں کی جاڑوں میں رہنے کی جگہیں، غمزدہ عورتوں کی تھراتی ہوئی آواز گریہ کی لرزش، پیروں کے چاپ کی ہلکی آوازیں، کلیوں کے غلاف میں اندرونی حصہ کے اندر میوہ کے پھیلنے کی گنجائش، پہاڑوں کے غاروں اور وادیوں میں وحشی جانوروں کے گوشہ گیر ہونے کی جگہیں، درختوں کی جڑوں اور چھالوں میں مچھر ایسے کمزور مخلوقوں کے چھپنے کے مقام، شاخوں میں پتوں کے نکلنے کی راہیں، مردوں کی پشت کے پیچیدہ راستوں میں انسانی نطفوں کی روشیں، پیدا ہونے والے ابر اوران کی تہہ بہ تہہ ترکیبیں، ابر کی تہوں میں قطرات باراں کی روانی، بگولوں کے دامن میں لپٹ جانے والے ذرے، بارشوں کے سیلاب سے مٹ جانے والے نقشے، ریگ کے تودوں میں روئیدہ گھاس کی ریشہ دوانی، پہاڑوں کی اونچی چوٹیوں کے اوپر پرند جانوروں کے آشیانے، گھونسلوں کی تاریک فضاؤں میں بولنے والے طائروں کے چہچہے، وہ کہ جسے سینت رکھیں سیپیاں اور جس کی پرورش کریں سمندروں کی موجیں۔ وہ کہ جس پر پردہ ڈالے رات کا اندھیرا یا روشنی ڈالے دن کا آفتاب۔ وہ کہ جس پر یکے بعد دیگرے آئیں اندھیرے کے سرپوش اور روشنی کے تڑکے، ہر قدم کا نشان، ہر چیز کے ہلنے کی سنسناہٹ، ہر کلمہ میں آواز کا اتار چڑھاؤ، ہر ہونٹ کی جنبش، ہر متنفس کی جگہ، ہر ذرہ کا وزن، ہر متفکر انسان کی اندرونی کشمکش، جو کچھ زمین کے اوپر ہے درختوں سے گرا ہوا میوہ یا ٹوٹا ہوا پتہ یا قرار یافتہ نطفہ یا نتھرا خون اور گوشت کا ٹکڑا یا پیدا شدہ خلقت اور انسانی نسل اس سب کا خدا کو علم ہے جس میں اس کو نہ کچھ زحمت اٹھانا پڑی ہے اور نہ اپنے خاص ایجاد کردہ مخلوق کے ان حالات کے محفوظ کرنے میں اسے تھکن اور کمزوری پیدا ہوتی ہے بلکہ پورے طور سے ان کے اندر پہونچا ہوا ہے اس کا علم اوران کا پورا پورا جائزہ لئے ہوئے ہے اس کی عدالت اوران پر چھایا ہوا ہے اس کا احسان حالانکہ وہ اس حق کے ادا کرنے سے جو اس کے شایان شان ہے قاصر ہیں۔''

کیا عام افراد کے ذہن نشین ہونے کے قابل علم الٰہی کے عظیم احاطہ ووسعت کی تصویر اس سے زیادہ نمایاں خط وخال میں کھینچی جاسکتی ہے۔

ص۲۲۷۔مَنْ تَكَلَّمَ سَمِعَ نُطْقَهٗ وَمَنْ سَكَتَ عَلِمَ سِرَّهٗ۔

''جو کوئی کچھ کہتا ہے وہ اس کی آواز سنتا اور جو خاموش رہتا ہے اس کے دل کی بات جانتا ہے۔''

ص ۴۳۳ يَعْلَمُ عَجِيْجَ الْوُحُوْشِ فِي الْفَلَوَاتِ وَمَعَاصِيَ الْعِبَادِ فِي الْخَلَوَاتِ وَاخْتِلَافَ النِّيْنَانِ فِي الْبِحَارِ الْغَامِرَاتِ وَتَلَاطُمَ الْمَاءِ بِالرِّيَاحِ الْعَاصِفَاتِ۔

''وہ جانتا ہے وحشی جانوروں کی صداؤں کو جو جنگلوں میں بلند ہوتی ہیں اور اپنے بندوں کے گناہوں کو جو تنہائی کی جگہوں پر ہوتے ہیں اور مچھلیوں کی آمدورفت کو جو سمندروں کی تہہ میں ہوتی ہے اور پانی کے تھپیڑوں کو جو تیز ہواؤں کے

جھگڑوں سے ہوتے ہیں۔

۵- خدا کی عدالت

فرقۂ امامیہ کا عقیدہ ہے کہ خداوند عالم کے تمام اوامر واحکام اور افعال وتقدیرات میں صفت عدل کارفرما ہے، اس کا کوئی فعل کبھی عدل کے خلاف نہیں ہوتا اور ناممکن ہے کہ اس کے کسی فعل کی طرف ظلم کی نسبت صحیح ہو۔

دنیا کی کائنات میں جو اختلاف نظر آتا ہے اور افراد بشر میں باعتبار استغنا وثروت اور فقر واحتیاج جو دورنگی نمایاں ہے سب صفت عدالت کے ساتھ ہے اور کسی میں عدالت کے خلاف ذرا سا شائبہ بھی نہیں ہے۔

دوسرے لوگ خدا کی صفت عدل کے قائل نہیں ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ دنیا میں بلاؤ مصیبت، کشائش وراحت، تنگدستی واحتیاج، تونگری واستغناء کسی اصول عدالت اور معیار حکومت پر مبنی نہیں ہے۔ اور صرف خدا کی قدرت وسلطنت اور قہر وغلبہ کا مظہر ہے۔ امیر المومنینؑ نے نہج البلاغہ میں صاف طور سے قدرت کی کارفرمائیوں کو عدل وحکمت پر مبنی بتلایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

ص ۱۹۳ قَدَّرَ الْاَرْزَاقَ فَكَثَّرَهَا وَقَلَّلَهَا وَقَسَّمَهَا عَلَى الضِّيقِ وَالسَّعَةِ فَعَدَلَ فِيهَا لِيَبْتَلِيَ مَنْ اَرَادَ بِمَيْسُورِهَا وَمَعْسُورِهَا وَلِيَخْتَبِرَ بِذَالِكَ الشُّكْرَ وَالصَّبْرَ مِنْ غَنِيِّهَا وَفَقِيرِهَا۔

''اس نے رزق معین کئے تو ان کو زیادہ بھی رکھا اور کم بھی اور ان کو تقسیم کیا تنگی اور وسعت کے اختلاف کے ساتھ تو اس میں عدالت کو ملحوظ رکھا جس سے مطلب یہ تھا کہ آزمائش ہو جس کی وہ چاہتا ہے آسانی وکشائش اور سختی وتکلیف کے ذریعہ سے اور امتحان ہو اس سے شکر اور صبر کا غنی اور فقیر کے۔

ص ۳۰۲ اَلَّذِيْ صَدَقَ فِيْ مِيعَادِهٖ وَارْتَفَعَ عَنْ ظُلْمِ عِبَادِهٖ وَقَامَ بِالْقِسْطِ فِيْ خَلْقِهٖ وَعَدَلَ عَلَيْهِمْ فِيْ حُكْمِهٖ۔

''وہ کہ جو سچا ہے اپنے وعدہ میں اور بلند ہے اس بات سے کہ ظلم کرے اپنے بندوں پر اور قائم وبرقرار ہے انصاف کے ساتھ اپنی کائنات میں اور عدالت سے کام لیتا ہے ان پر اپنے حکم میں۔''

''ارتفع'' کی لفظ میں جس سے یہ معنی پیدا ہوتے ہیں کہ ظلم درحقیقت نقص ہونے کی بناء پر ذات الٰہی کے لئے ناممکن ہے۔ ثبوت عدالت کے برہان عقلی پر ایک عمیق تبصرہ کیا ہے۔

۶۔ نفی جبر

انسانوں کے افعال میں انسانوں کی قدرت کو کہاں تک دخل ہے؟

یہ ایسا پیچیدہ مسئلہ ہے جس میں عقول نے بہت ٹھوکریں کھائی ہیں کچھ لوگوں نے تو انسان کو اپنے افعال میں بالکل مستقل جان کر خدا سے ان کے سلسلہ کو قطع ہی کر لیا ہے۔ کچھ لوگوں نے ان افعال کی پوری ذمہ داری خدا پر قرار دے دی ہے اور ان کا خیال ہے کہ انسان کو اس میں کچھ قدرت واختیار ہی نہیں ہے۔

فرقۂ امامیہ کا مسلک اس میں بین بین ہے وہ کہتے ہیں کہ انسان کا کام اس کی قدرت واختیار کا نتیجہ ہے لیکن وہ آلات واسباب جس کے ذریعہ انسان کو عمل پر قدرت حاصل ہوتی ہے خدا کے عطا کردہ ہیں اس لئے جب خدا چاہے ان اسباب وذرائع کو سلب کر کے انسان کو عاجز ومجبور بنا دے۔

یہی وہ تعلیم ہے جو امیر المومنینؑ کے کلام سے مستفاد ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو ص ۲۴۰ ج ۲

کلمہ "لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" کے معنی دریافت ہوئے حضرت نے فرمایا۔

اِنَّا لَا نَمْلِكُ مَعَ اللّٰهِ شَيْئًا وَلَا نَمْلِكُ اِلَّا مَامَلَّكَنَا فَمَتٰى مَلَّكَنَا مَاهُوَ اَمْلَكُ بِهٖ مِنَّا كَلَّفَنَا وَمَتٰى اَخَذَهٗ مِنَّا وَضَعَ تَكْلِيفَهٗ عَنَّا۔

''ہمیں خدا کے مقابلہ میں ذرا سا بھی اختیار نہیں ہے ہمیں جس قدر بھی قدرت اور اختیار ہے وہ وہی ہے جو خدا نے ہمیں عطا کر دیا ہے، اس لحاظ سے جب وہ ہمیں قدرت عطا کرتا ہے ان افعال پر کہ جن پر اس کا اقتدار ہم سے زیادہ ہے تو وہ ہم کو مکلف بناتا ہے۔ یعنی اوامر ونواہی ہم سے متعلق کرتا ہے اور جب وہ

قدرت کو ہم سے سلب کر لیتا ہے تو تکالیف کو ہم سے ہٹا لیتا ہے۔

اس سے ایک طرف یہ ثابت ہوا کہ انسان کے افعال قدرت واختیار کا نتیجہ ہیں۔ دوسری طرف یہ ظاہر ہوا کہ پھر بھی انسان خدا کے مقابلہ میں مطلق العنان نہیں ہے، بلکہ جب خدا چاہے تو انسان کے قدرت واختیار کو سلب کر لے۔ تیسری طرف اس بات پر روشنی پڑتی ہے کہ خدا تکلیف مالا یطاق نہیں کرتا جو عدل کے خلاف ہے۔ چوتھی طرف یہ معلوم ہوا کہ اگر انسان اپنے افعال میں مجبور ہوتا تو تکالیف شرعیہ مہمل وباطل ہوجاتے جو حقیقت میں نفی جبر کا برہان قوی ہے۔

۷-نبوت

طہارت اصلاب وارحام انبیاء

فرقۂ شیعہ کا اعتقاد ہے کہ انبیاء کا سلسلہ نسب پدری ومادری دونوں حیثیتوں سے پاک وپاکیزہ، شرک وکفر کی نجاست سے مقدس ومنزہ ہوتا ہے۔ ان کے ددھیالی اور ننھالی سلسلۂ اجداد میں کہیں بھی ایمان کی جگہ کفر کا نشان نہیں ہوسکتا۔ مسلمانوں کی دوسری جماعتوں نے نہ معلوم کن مقاصد کے تحت میں نبوت کے درجہ کو اس معیار کی حیثیت سے پست قرار دے دیا اور انھوں نے انبیاء کے آبا واجداد میں کفر وشرک کے دھبے تو ممنوع قرار نہیں دیا۔ وہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے والد کو حقیقی طور سے آزر بت تراش قرار دے کر بہت کشادہ پیشانی سے ان کو بت پرست کا فرزند قرار دیتے ہیں اور رسالتمآب کی والدہ حضرت آمنہ اور جد امجد عبد المطلب کے کافر ومشرک ہونے کا فتویٰ صادر کرتے ہیں۔

امیر المومنینؑ نے نہج البلاغہ میں جو انبیاء کی توصیف کی ہے اس میں صاف انبیاء کے آباواجداد کے طہارت وایمان کو ظاہر فرمایا ہے۔

(نہج البلاغہ مطبوعۂ مصر ج ا ص ۲۰۱) فَاسْتَوْدَعَهُمْ فِيْ أَفْضَلِ مُسْتَوْدَعٍ وَأَقَرَّهُمْ فِيْ خَيْرِ مُسْتَقَرٍّ تَنَاسَخَهُمْ كَرَائِمُ الْأَصْلَابِ إِلَى مُطَهَّرَاتِ الْأَرْحَامِ كُلَّمَا مَضَى مِنْهُمْ سَلَفٌ قَامَ مِنْهُمْ بِدِيْنِ اللهِ خَلَفٌ حَتّٰى أَفْضَتْ كَرَامَةُ اللهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى إِلٰى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ فَأَخْرَجَهُ مِنْ أَفْضَلِ الْمَعَادِنِ مَنْبِتًا وَأَعَزِّ الْأَرُوْمَاتِ مَغْرِسًا مِنَ الشَّجَرَةِ الَّتِيْ صَدَعَ مِنْهَا أَنْبِيَاءَهُ وَانْتَخَبَ مِنْهَا أُمَنَاءَهُ عِتْرَتُهُ خَيْرُ الْعِتَرِ وَأُسْرَتُهُ خَيْرُ الْأُسَرِ وَشَجَرَتُهُ خَيْرُ الشَّجَرِ۔

”خدا نے ان کو بہترین جگہوں پر ودیعت کیا اور بہترین مقاموں پر ان کو جگہ دی۔ ان کو دست بدست منتقل کیا بزرگ مرتبہ پشتوں نے پاک وپاکیزہ شکموں کی طرف۔ جب ان میں سے کوئی پیش روگذرا فوراً کھڑا ہوگیا دین خدا کی تبلیغ کے لئے کوئی اس کا قائم مقام یہاں تک کہ پہونچا خدا کا اعزاز حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہستی تک تو خدا نے ان کو ظاہر کیا ایسی جواہرات کی کان سے جہان کی پیداوار اور بہتر سے بہتر اور ایسے بزرگ اصل ونسب جہاں کی زراعت سب سے زیادہ معزز وممتاز تھی، ایسے شجرہ سے کہ جس سے خدا نے اپنے انبیاء کو خلق کیا اور جہاں سے اپنے امانت دار بندوں کو منتخب کیا ہے۔ آپ کی نسل تمام نسلوں سے بہتر اور آپ کا گھرانا تمام گھرانوں سے افضل اور آپ کا شجرہ تمام شجروں میں بہتر ہے۔“

اسلامی نقطۂ نظر سے یہ بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ ایک کافر صلب اور آغوش کرائم اصلاب اور مطہرات ارحام میں کسی طرح داخل نہیں ہوسکتی۔

۸-ختم نبوت

شیعوں کا عقیدہ ہے جس میں اکثر دوسری جماعتیں بھی مسلمانوں کی ان کے ساتھ متفق ہیں۔ بلکہ سوائے قادیانی گروہ کے تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ نبوت حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہے اور آپ کے بعد نبوت ورسالت اور وحی وپیغام خداوندی کا دروازہ بند ہوگیا۔ امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ نے نہج البلاغہ میں اس عقیدہ کی تصریح فرمائی ہے۔

ملاحظہ ہو (ج ا ص ۲۷۰) أَرْسَلَهُ عَلٰى حِيْنِ فَتْرَةٍ مِنَ الرُّسُلِ وَتَنَازُعٍ مِنَ الْأَلْسُنِ فَقَفّٰى بِهِ الرُّسُلَ

وَخَتَمَ بِهِ الْوَحْيَ۔

''خدا نے ان کو مبعوث کیا اس وقت جب پیغمبروں کی فترت کا زمانہ تھا اور لوگوں کی زبانیں باہم مختلف تھیں تو خدا نے ان کو پیغمبروں کی آخری فرد قرار دے کر وحی کے سلسلہ کو ان کے او پر ختم کر دیا۔''

یہ ہے امیر المومنینؑ کا ارشاد جس سے بڑھ کر حقیقت نبوت کا عارف دنیا کے پردہ پر پیدا نہیں ہوا تھا۔

۹- امامت وخلافت

یہ مسئلہ آپس کی مناظرہ بازیوں سے اتنا پیچیدہ اہم اور مختلف فیہ ہوگیا ہے کہ اس میں کسی نقطۂ واحد پر فریقین کا اجتماع ناممکن اور محال معلوم ہونے لگا ہے۔

لطف یہ ہے کہ تیرہ سو برس سے اس مسئلہ کے متعلق لکھا جاتا اور تصنیف وتالیف کا سلسلہ جاری رہا ہے لیکن اب تک فرقۂ شیعہ کے نقطۂ نظر کے متعلق دنیا کو غلط فہمیاں ہیں۔ اور وہ جب شیعی خیالات کو پیش کرتی ہے تو انھیں غلط صورت سے ظاہر کرتی ہے۔

میں اس کے پہلے کہ امیر المومنینؑ کے مخصوص کلمات جو اس بحث سے تعلق رکھتے ہیں پیش کروں، چاہتا ہوں کہ خود شیعی نقطۂ نظر کو ذرا واضح طور سے تحریر کردوں۔

واضح ہو کہ شیعہ امامت وخلافت بمعنی حکومت کو ایک ہی چیز نہیں سمجھتے ہیں۔

امامت جو حقیقی رسول کی جانشینی اور قائم مقامی کی حیثیت رکھتی ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ رسول کے بعد ایک ایسی ہستی ہو جو صفات وکمالات عصمت اور ہدایت خلق میں رسول کے کمالات کا آئینہ اور سچی تصویر ہو وہی وہ ہوگا جس کی اطاعت بحکم خدا واجب ہوگی اور اس کے احکام کا اتباع ایک مذہبی فریضہ اور شاہراہ ہدایت پر قائم رہنے کا ذریعہ ہوگا۔

خلافت بمعنی حکومت وہ ظاہری سلطنت اور فرمانروائی ہے جس سے ملک کا نظم ونسق درست ہو اور شیرازۂ قومی مسلمانوں کا منتشر ہونے سے محفوظ رہے۔

دنیا میں امام کا ہونا ضروری ہے اس لئے کہ خدا کی حجت تمام رہے اور زمین حجت خدا سے خالی نہ ہو اور ہدایت خلق کا امکانی ذریعہ موجود رہے اور دنیا میں بیشک بادشاہ، حاکم، فرمانروا کی بھی ضرورت ہے جس سے ملک کے نظم ونسق میں ابتری نہ پیدا ہو۔ اور ہیئت اجتماعیہ کی حفاظت ہو۔

دنیا کے سیاسی نظام اور قانون کے اعتبار سے ایسے بادشاہ اور حاکم کا ہونا بہرحال ناگزیر ہے۔ اور اس شعبہ کو صرف اس کے مفاد کے اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو اس میں عصمت یا عدالت بلکہ اسلام کی بھی قید نہیں ہے اور مسلم اور غیر مسلم کی بھی تفریق نہیں۔

اس وقت بہرحال حکومت برطانیہ کو مسلمانوں کا بادشاہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ اس لئے کہ اسلامی مردم شماری کا اکثر وبیشتر حصہ بواسطہ یا بلا واسطہ اس وقت برطانیہ کی حکومت میں ہے اور اس کی رعیت میں داخل ہے۔

بے شک دنیا کی عام فطرت کے مطابق مسلمان بادشاہ ہونے کی صورت میں مسلمانوں کو شخصی حیثیت سے زیادہ نفع اور غیر مسلم بادشاہ ہونے کی صورت میں غیر مسلموں کو زیادہ منفعت حاصل ہوسکتی ہے۔ لیکن اس کا اصل حکومت کی نوعیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

ایسے سلاطین کی حکومت وسلطنت قائم ہوجانے کے بعد ان کے احکام کی اطاعت اور قانون کی پابندی بھی امن وامان ملکی کی حفاظت کے تحت میں ضروری ہوگی اور بغاوت کرنا جرم بھی سمجھا جائے گا۔

اس اعتبار سے یہ شعبہ مستقل اور بالکل مستقل ہے جس میں سوائے قابلیت انتظام اور حصول غلبہ کے کوئی شرط نہیں ہے۔ جس طرح پہلا شعبہ بھی بالکل مستقل ہے، یعنی ایک امام ہادی خلق کی صفت ذاتی امامت وعصمت اور حقیقی خلافت یعنی صفات وکمالات میں رسول کی جانشینی کبھی ظاہری تاج وتخت اور حکومت وسلطنت کی پابند نہیں ہے اور نہ رسم بیعت وغیرہ پر موقوف۔

ایک نبی نبی ہے چاہے دنیا اس کی تکذیب کرتی رہے۔ اسی طرح ایک امام امام ہے چاہے کوئی اس کی بات سننے اور اس کے اقوال پر عمل کرنے کے لئے آمادہ نہ ہوا۔

اس اعتبار سے یہ دونوں شعبے بالکل الگ الگ ہیں اور ان میں کوئی اتحاد نہیں ہے۔ لیکن اسلام چونکہ ایک عملی مذہب ہے اور زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے۔ اس لئے مذہبی تعلیمات جس طرح انسان کی انفرادی زندگی کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اسی طرح اجتماعی زندگی اور ملکی، معاشرتی حالات کے ساتھ بھی۔ اس صورت میں اگر امام روحانی الگ اور سلطان دنیوی الگ ہو۔ اور یہ سلطان بالکل اپنے کاموں میں خود مختار ہو اور امام کے احکام کا مطیع و متبع نہ ہو تو امامت ایک روح بے جسد اور عملی حیثیت سے بیکار ہو جاتی ہے۔ اور اگر بادشاہ ہر امر میں امام کے احکام کا تابع و مطیع اور اپنے احکام میں غیر مستقل ہو تو در حقیقت وہ ایک کارکن سے زیادہ نہیں ہے جو امام کے احکام کو عملی جامہ پہناتا ہے۔ اسی طرح اس کو مستقل بادشاہ اور فرمانروا کہنا بالکل غلط ہے۔

اس لئے عقلی بنیاد پر مذہبی و دنیوی دونوں نقطۂ نظر سے ان دونوں شعبوں کے سموئے جانے کی ضرورت ہے۔ یعنی اسلامی تمدن کی بنا پر سلطنت، حکومت اور فرمانروائی، امام خلیفہ رسولؐ اور روحانی معصوم پیشوا کا حق ہے، جو اگر ان تک پہونچ جائے تو خیر، اور اگر نہ پہنچے تو جو شخص حکومت و فرمانروائی کا مالک بنے وہ بہرحال حاکم، بادشاہ، فرمانروا، سب کچھ کہا تو جائے ہی گا اور ہو جائے گا لیکن وہ حق غیر پر متصرف اور ناجائز قابض سمجھا جائے گا۔ اور کسی طرح عادل حاکم نہیں سمجھا جا سکتا۔

معلوم ہوا کہ حکومت و خلافت کے سلسلہ میں تین حیثیتیں پیدا ہوتی ہیں ایک سیاسی و ملکی نقطۂ نظر سے ایک حاکم و بادشاہ کی ضرورت۔

اس اعتبار سے عادل غیر عادل بلکہ مسلم و غیر مسلم میں بھی کوئی فرق نہیں ہے۔

دوسرے مذہبی نقطہ نظر سے رسول کے بعد ایک امام، پیشوا، حجت علی الخلق کی ضرورت۔ اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے کہ ظاہری فرمانروائی اس کے پاس ہو یا نہ ہو۔

تیسرے اسلام کے تمدنی نقطۂ نظر سے جس کی بنا پر وہ پہلے شعبہ والی حکومت و خلافت دوسرے شعبہ کے مالک یعنی نبی کے بعد اس کے صحیح جانشین امام کا حق ہے۔

جہاں تک پہلی حیثیت کا تعلق ہے، تاریخی ناقابلِ انکار حقیقت کی بنا پر شیعہ حضرات خلفائے ثلٰثہ کی خلافت یعنی حکومت کے معترف اور قائل ہیں اور اس کا انکار نہیں رکھتے۔

دوسری حیثیت کے اعتبار سے مذہبی ناقابل انکار نصوص، آیات و احادیث اور عقلی دلائل کی بناء پر شیعہ حضرات رسول اکرم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد حضرت کی عترت اور اہلبیت کی امامت کے قائل ہیں جن میں سے سب سے اول حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام ہیں۔

تیسری حیثیت کے لحاظ سے شیعہ مجبور ہیں کہ وہ خلافت و حکومت کو بھی اہلبیت کا حق خیال کریں اور دوسرے لوگوں کی بادشاہت و حکومت کو جو ناقابل انکار حیثیت رکھتی ہے۔ وہ تسلیم تو کریں مگر اسے حق غیر ہونے کے اعتبار سے جائز سلطنت نہ سمجھیں۔

نہج البلاغہ میں ایسے بیانات موجود ہیں جو ان تینوں حیثیتوں سے تعلق رکھتے ہیں یعنی بعض بیانات پہلی حیثیت سے متعلق ہیں اور بعض دوسری اور بعض تیسری سے تعلق رکھتے ہیں۔

دنیا جو ان حقائق سے بے خبر ہے، غلط فہمی میں مبتلا ہوتی ہے۔ اور ایک شعبہ کے متعلقہ بیانات سے دوسرے شعبہ میں غلط استدلال کرتی ہے۔ اور گمراہی میں مبتلا ہوتی ہے۔ اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ ان تینوں قسموں کے بیانات کو علٰحدہ علٰحدہ درج کریں اور غلط فہمی کے پردوں کو چاک کرتے جائیں۔

خلافت کی پہلی حیثیت یعنی حکومت وسلطنت

ہم نے بیان کیا کہ یہ وہ چیز ہے جس کی سیاسی نقطۂ نظر اور انتظام ملکی کی حیثیت سے سخت ضرورت ہے اور بغیر اس کے ملک کا

انتظام درست نہیں ہوسکتا اور حدود سلطنت کی حفاظت ممکن نہیں۔ راستوں میں امن وامان اور ڈاکے وغیرہ کے واقعات کا سد باب اور فوجداری کے مقدمات کا فیصلہ اور قانونی وسیاسی مجرموں کی سزا سب اسی شعبہ کے تحت میں داخل ہوتی ہے۔ اس کے لئے بے شک صرف ایک بادشاہ، حاکم کی ضرورت ہے۔ جس میں سوائے قوت انتظام کے اور کوئی بات ہونے کی شرط معلوم نہیں ہوتی، اس میں تقوی وعدالت کا کیا ذکر اسلام اور کفر کی بھی تفریق نہیں ہے بیشک دنیا کے افتاد طبع کی بناء پر مسلمان بادشاہ ہونے کی صورت میں مسلمانوں کو زیادہ دنیاوی نفع اور غیر مسلم بادشاہ ہونے کی صورت میں غیر مسلموں کو زیادہ نفع پہونچے گا۔ لیکن اصل سلطنت و حکومت کا مفاد بہر حال حاصل ہوجائے گا۔

اس کو امیر المومنینؑ حسب ذیل بیان میں ارشاد فرماتے ہیں۔

(نہج البلاغہ مطبوعہ مصر، ص ۱۰۰/) اِنَّهُ لَا بُدَّ لِلنَّاسِ مِنْ اَمِيْرٍ بَرٍّ اَوْفَاجِرٍ يَعْمَلُ فِيْ اِمْرَتِهِ الْمُؤْمِنُ وَيَسْتَمْتِعُ فِيْهَا الْكَافِرُ وَيُبَلِّغُ اللّٰهُ فِيْهَا الْاَجَلَ وَيُجْمَعُ بِهِ الْفَيْئُ وَيُقَاتَلُ بِهِ الْعَدُوُّ وَتَاْمَنُ بِهِ السُّبُلُ وَيُؤْخَذُ بِهِ لِلضَّعِيْفِ مِنَ الْقَوِيِّ حَتّٰى يَسْتَرِيْحَ بَرٌّ وَ يُسْتَرَاحُ مِنْ فَاجِرٍ۔

''لوگوں کے لئے بہر حال ایک فرمانروا کی ضروت ہے۔ خواہ وہ نیک کردار ہو یا فاجر و بدکردار۔ اس کی حکومت میں مومن اپنا کام کرے گا۔ اور اس کی حکومت میں کافر لوگ فائدہ اٹھائیں گے اور اس حکومت میں خدا اپنی مقررہ مدت کو پورا کرے گا۔ اور اس کے سبب سے لگان، ٹیکس، خراج وغیرہ وصول ہوں گے اور راستوں میں امن وامان قائم ہوگا۔ اور کمزوروں کا حق زور آور وں سے حاصل کیا جاسکے گا یہاں تک کہ اس حکومت کی مدت ختم ہو۔ اور اگر مومن کی حکومت ہوتو) وہ مومن غم دہر کی کشاکش سے نجات پائے اور (اگر کافر وفاجر کی حکومت ہوتو) اس فاجر (بدکار) سے خلق خدا کو چھٹکارا ملے۔

دوسری روایت میں ہے کہ

اما الامرۃ البرۃ فیعمل فیھا التقی واما الامرۃ الفاجرۃ فیتمتع فیھا الشقی الی ان تنقطع مدتہ و تدرکہ منیتہ۔

''نیکوکار حکومت میں متقی و پرہیزگار انسان مصروف عمل ہوتا ہے اور فاجر و بدکار حکومت میں بدبخت روزگار (برے) لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں یہاں تک کہ اس حاکم کی مدت ختم ہو اور اس کی اجل آکر اس پر قبضہ کرے۔''

الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت نظام دنیا اور قانون عادت کے مطابق فرماتے ہیں کہ انتظام ملکی واجتماعی کے لئے ایک نہ ایک بادشاہ اور فرمانروا ہوگا ضرور، چاہے وہ مومن ہو چاہے کافر۔ مومن ہوگا تو مومنین کو نفع حاصل ہوگا، کافر ہوگا تو کافروں کو۔

اس کو اس امر سے کوئی تعلق نہیں کہ اسلام کا مقصود کس طرح کی حکومت ہے۔ اور اسلامی نقطۂ نظر سے حاکم ہونے کا معیار کیا ہے ورنہ اگر اس کو اسلامی نقطۂ نظر سے کوئی تعلق ہے تو کوئی بتائے کہ کیا کافروں کو نفع حاصل ہونا اور بدبخت روزگار افراد کا متمتع ہونا اسلام کے نقطۂ نظر میں داخل ہے اور وہ اس قسم کی حکومت کو پسند کرتا ہے۔

وہ لوگ جو امیر المومنینؑ کے اس کلام کو مختلف فیہ مسئلہ امامت وخلافت کے متعلق بطور استدلال کے پیش کرتے ہیں وہ ذرا آنکھیں کھول کر دیکھیں اور غور کریں کہ اس کو محل اختلاف امامت سے کیا تعلق ہے۔

آخر اس امامت کے لئے انھوں نے بھی تو کچھ شرائط قرار دیئے ہیں۔ عصمت اور غیر جائز الخطا ہونا نہ سہی۔ لیکن عدالت، وہ بھی **لا یغول الامام بالفسق** کی بنا پر بقاء کے طور پر نہ سہی لیکن شروع شروع ظاہری عدالت، وہ بھی نہ سہی، اسلام کی تو شرط قرار دی ہے۔ لیکن امیر المومنینؑ اس کلام میں وہ شرط بھی نظر انداز کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ حاکم یا نیکوکار مسلمان ہوگا یا فاجر۔ جس سے کافروں کو فائدہ حاصل ہو۔ پھر آخر یہ کلام

حضرت کا امامت بمعنی مصطلح سے متعلق کیونکر ہوسکتا ہے؟

بیشک یہ سلطنت اور حکومت امور سیاست کے ساتھ متعلق ہے اور اس میں یقینا عصمت کیسی، عدالت کیسی، اسلام کی بھی شرط نہیں ہے۔ وہ ''ہر کسی سکہ زند خطبہ بنامش خوانند'' کے مصداق ''جس کی لاٹھی اس کی بھینس'' کے اصول پر قہر وغلبہ کا نتیجہ یا جمہور کے آرا، اور نمایندگان کی قرارداد کے مطابق ''اجماع'' کا اثر یا کسی منتخبہ کمیٹی کے فیصلہ کا ثمرہ ہوسکتی ہے۔ جس کے بعد ایک شخص حاکم، بادشاہ بن جائے گا۔ چاہے وہ عادل، متقی، پرہیزگار کے ساتھ مسلم بھی نہ ہو کافر ہو۔

کون انسان ہے جو ہلاکو اور چنگیز خاں کی اپنی اپنی رعیت میں حکومت وفرمانروائی کا منکر ہوسکے اور کون متنفس ہے جو نپولین اور قیصر جرمن کی سلطنت کا انکار کرسکے۔

ہرگز نہیں، اس سلطنت کی کامیابی بھی بے شک ملکی انتظام، حدود مملکت کی حفاظت، اور توسیع حدود سلطنت، انتظامی خرابیوں کے دفعیہ اور چور اور ڈاکو طبقہ کے قلع وقمع، استیصال وغیرہ میں مضمر ہے اور ممکن ہے کوئی ایسا بادشاہ اپنی رعیت کے بارے میں ایک حد تک انصاف اور عدالت سے بھی کام لیتا ہو، اور نسبتاً اپنی رعیت کے معاملات میں کسی حد تک خدا سے ڈرتا بھی ہو، اور احکام شرع کی پیروی کرتا ہو یقینا اس کی تعریف ان اوصاف پر صحیح ہوگی۔ آخر نوشیرواں کی عدالت اس کے نام کا جزو بن گئی یا نہیں۔ حالانکہ وہ مسلمان نہیں کافر تھا۔

اس ملکی بادشاہت کی کامیابی اور اچھائی سے کسی طرح اس بادشاہت کی نوعیت نہیں بدل سکتی۔ اور نہ اس کی حقیقت میں انقلاب ہوسکتا ہے۔

موجودہ بدتر سے بدتر حالات کی بناء پر کبھی امیر المومنین نے سابقہ دور حکومت کو یاد کرکے اس کے انتظام کا کسی قدر خوش آئند الفاظ میں ذکر فرمایا ہے۔

لِلّٰهِ بَلَاءُ فُلَانٍ۔ فَلَقَدْ قَوَّمَ الْاَوَدَ وَدَاوَى الْعَمَدَ وَخَلَّفَ الْفِتْنَةَ وَاَقَامَ السُّنَّةَ ذَهَبَ نَقِيَّ الثَّوْبِ قَلِيْلَ الْعَيْبِ اَصَابَ خَيْرَهَا وَسَبَقَ شَرَّهَا اَدّٰى اِلَى اللّٰهِ طَاعَتَهٗ وَاتَّقَاهُ بِحَقِّهٖ رَحَلَ وَتَرَكَهُمْ فِيْ طُرُقٍ مُتَشَعِّبَةٍ لَا يَهْتَدِيْ بِهَا الضَّالُّ وَلَا يَسْتَيْقِنُ الْمُهْتَدِيْ۔

''کیا کہنا ہے فلاں آدمی (بعض شارحوں نے لکھا ہے کہ یہ خلیفۂ دوم حضرت عمر کا ذکر ہے۔ اگر چہ یہ یقینی طور پر نہیں کہا جاسکتا لیکن یہاں اسی مفروضہ کی بناء پر اس کو زیر بحث لایا گیا ہے) کے زیر انتظام شہروں کا، انھوں نے ٹیڑھے کو سیدھا کیا اور بیماری کا علاج کیا۔ شورش اور فتنہ وفساد کو اپنے بعد کے لئے چھوڑا اور خود راستہ قائم کر گئے۔ وہ کئے صاف کپڑوں کے ساتھ اور کم عیب رکھنے کی حالت میں (کم کی لفظ یاد رکھنے کے قابل ہے) انھوں نے اس حکومت سے فائدہ اٹھالیا۔ اور مضرت کا وقت آنے سے پہلے ہی چلے گئے۔ انھوں نے اس میں خدا کے احکام کی پابندی کی اور اس سے خوف سے کام لیا۔ وہ چلے گئے اس حالت میں کہ لوگوں کو متفرق شعبوں میں چھوڑ گئے ہیں جن میں گمراہ آدمی کو تو راستہ ہی نہیں مل سکتا، اور سیدھے راستہ پر چلنے والوں کو بھی شبہہ پڑ جاتا ہے کہ کہیں یہ راستہ غلط تو نہیں ہے۔''

میں جب اس عبارت کو پڑھتا ہوں، مجھے سلم الادب کی حکایت یاد آجاتی ہے، ایک غلام تھا بیچارہ ایسے مالک کے قبضہ میں جو خود اچھے اچھے خرمے کھاتا تھا۔ برے غلام کو کھانے کو دیتا تھا۔ غلام کو یہ بات ناگوار ہوتی تھی۔ اس نے خواہش کرکے اپنے تئیں دوسرے مالک کے ہاتھ فروخت کرالیا۔ وہ ایسا کہ برے خرمے بھی خود ہی کھالیتا اور غلام کو صرف کوڑا کرکٹ خرموں کا دے دیا کرتا تھا۔ اس سے بھی غلام نے اپنے فروخت کرنے کی خواہش کی۔ اور تیسرے مالک کے پاس پہونچا۔ وہ ایسا کہ غلام کو فاقوں مارتا، کچھ کھانے کو نہ دیتا تھا۔

یقینا اس کے لئے پہلے مالک ہزار درجہ اچھے تھے اور وہ ان کی تعریف کرتا تو غلط نہیں ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کی حالت حضرت رسالت کی

آنکھ بند ہوتے ہی اس بیچارہ بیکس و بے بس غلام کی سی ہوگئی تھی۔

پہلے اور دوسرے دور کی سلطنت کے جواز و عدم جواز کی بحث اپنے مقام پر، اور اس سلطنت کے ذرائع حصول میں اس کے جائز حقداروں کے ساتھ جو برتاؤ کئے گئے وہ بھی ایک طرف، ان تمام باتوں کو چھوڑ کر یہ یقینی امر ہے کہ ان دونوں دوروں میں عام مسلمانوں کے ساتھ کوئی خاص سختی اور تشدد اموال مسلمین میں کوئی غیر معمولی تغلب وتصرف، حقوق مسلمین کے مقابلہ میں خالص اپنے آدمیوں کی زیادہ سے زیادہ مراعات اور جانبداری کا دروازہ کھلنے نہیں پایا تھا، حدود شرعیہ کا اجرا ہوتا تھا۔ حضرت عمر نے اپنے بیٹے کو بھی شراب پینے پر (لیت ولعل کے بعد سہی) حد جاری ہونے سے مستثنیٰ ہونے کی تحریک نہیں کی، ملک کے انتظامات میں صرف اپنے عزیزوں کو بھر نہیں دیا اور رسولؐ کے بہت سے محترم صحابہ، ابوذر، عمار، عبداللہ بن مسعود وغیرہ کو زدوکوب نہیں کیا گیا۔

یہ تمام چیزیں وہ تھیں جو تیسرے دور میں عملی حیثیت سے سامنے آ گئی تھیں۔ اس لئے تمام صحابہ اس دور کی صورت حال کے بنا پر سابق دوروں کا تذکرہ کرتے اور اس کی تعریف کرتے تھے۔

حضرت علیؑ کو پہلے دوروں میں جو شکایت تھی وہ اپنے متعلق تھی کہ مجھے میرے حق سے محروم کیا گیا اور مجھ پر ظلم ہوا جسے آپ نے اعلان حق کی صورت میں ظاہر کر دیا تھا، اور اعلان حق کا فرض ختم ہونے کے بعد آپ نے سکوت فرما لیا تھا اور پھر کار ہائے حکومت میں آپ نے کوئی دخل اندازی نہیں کی۔

لیکن اس موجودہ دور میں آپ کے دل کو روحانی تکلیف ان مختلف صحابہ کے اوپر ہونے والے مظالم سے ہوتی تھی جنھیں آپ بہت قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور ان کے حالات سے آپ اپنے معاملہ سے زیادہ متاثر ہوتے تھے۔ اس کو آپ نے صاف طور سے ظاہر بھی فرما دیا تھا اسی وقت جب حضرت عثمان کی بیعت کا مسئلہ پیش تھا، کہ میں اس وقت تک صبر وتحمل سے کام لے سکتا ہوں جب تک ظلم اور ناانصافی صرف میرے ساتھ ہو۔

ملاحظہ ہو ص ۱۳۵ ر

وِمن کَلَام له عَلَیْهِ السَّلَامِ لَمَّا عزموا علی بیعة عثمان لَقَدْ عَلِمْتُمْ اَنِّیْ اَحَقُّ النَّاسِ بِهَا مِنْ غَیْرِیْ وَوَاللهِ لَاُ سْلِمَنَّ مَاسَلِمَتْ اُمُوْرُ الْمُسْلِمِیْنَ وَلَمْ یَکُنْ فِیْهَا جَوْرٌ اِلَّا عَلَیَّ خَاصَّةً۔

''تمہیں معلوم ہے کہ میں اس حکومت کا اپنے سوا ہر شخص سے زیادہ مستحق ہوں، اور خدا کی قسم میں سر تسلیم خم کرتا رہوں گا اس وقت تک کہ جب تک مسلمانوں کے معاملات ٹھیک سے ہوتے ہیں، اور جو کچھ ناانصافی ہوتی ہو، وہ صرف میرے ساتھ۔

اب ذرا ناظرین اس کلام کی روشنی میں اس تعریف پر نظر ڈالیں جو حضرت نے دور سابق کی فرمائی ہے اور للہ بلاد فلان کا سرنامہ دیکھیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ تعریف صرف مما لک و بلاد کے انتظام کی حیثیت سے ہے جو ایک بادشاہ کی بادشاہت کا مفاد ہے اور پھر قلیل العیب کا فقرہ دیکھیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ تعریف بلحاظ اس کے ہی ہے کہ موجودہ دور کی نسبت عیوب کم تھے، نہ یہ کہ وہ دور بالکل ہر حیثیت سے مکمل تھا اور اس میں خرابی ہی نہ تھی۔ اس سے پتہ چلے گا کہ ادّیٰ الی اللہ طاعتہ اضافی حیثیت سے بہت سے ان امور سے متعلق ہے جن میں اب مسلمانوں کے ساتھ انتہائی جبر وتشدد اور عدم مساوات کا برتاؤ کیا جا رہا ہے۔

اس کو سابق دور کی سلطنت کے جواز اور امامت وخلافت کے استحقاق سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔

امامت کے متعلق حضرت کا نقطۂ نظر کیا تھا اور اس کے لئے حضرت کیا شرائط ضروری سمجھتے تھے، وہ دوسرے شعبہ سے متعلق ہے جس کے لئے انتظار کی ضرورت ہے۔

مذکورۂ بالا حیثیت کی حکومت جیسا کہ ہم نے تحریر کیا اپنے سیاسی بنیاد کے اعتبار سے سوائے انتظام ملکی اور غلبہ وطاقت، کسی شرط کی پابند نہیں ہے اور اس میں عدالت تو کجا اسلام کی بھی شرط نہیں ہے لیکن مسلمانوں نے حضرت رسول اکرم ﷺ کی وفات

کے بعد باوجودیکہ خلافت کو صرف مادی نقطۂ نظر سے دیکھا اور حکومت و انتظام ملکی ہی کے معنی میں قرار دیا پھر بھی اسلامیت کے مظاہرہ میں انھوں نے اس کے لئے کچھ شرائط وخصوصیات مقرر کر لئے جن کے اوپر ایک داخلی قانون رواجی کی حیثیت سے اس حکومت کی بنیاد قرار پا گئی اور اسی کے اوپر پہلی اور اس کے بعد کی انتظامی عمارتوں کی شکست وریخت ہوئی۔

اس کے لئے علاوہ اسلام، ذکوریت، قرشیت وغیرہ کے اجماع اہل حل وعقد کا طریقہ مقرر کیا گیا اور اس میں یہ شرط کی گئی کہ اہل حل وعقد سے مراد صرف مدینہ رسول کے رہنے والے مہاجرین وانصار ہیں اور جب یہ کسی ایک شخص پر اتفاق کر لیں تو وہ پھر تمام عالم اسلامی کے لئے مسلم ہوگا۔ اور باہر والوں کو اس میں کچھ چوں وچرا کا حق نہ ہوگا۔ نیز خود مدینہ میں موجود ہونے والوں کو قرارداد ہو چکنے کے بعد کسی نظر ثانی اور غور وتامل کا اختیار بھی باقی نہ رہے گا۔

اسی بنیاد پر پہلی خلافت ثابت ہوئی اور اسی کے نتیجہ میں بذریعہ استخلاف دوسری اور اسی کی تبعیت میں بطور شوریٰ تیسری۔ امیرالمومنینؑ جیسا کہ ہم آئندہ بیان کریں گے اپنے تئیں روحانی ریاست یعنی امامت حقہ کا حامل جانتے تھے اور اس لئے سلطنت کا بھی اپنے تئیں حقدار سمجھتے تھے۔ لیکن دنیا نے پہلے جزو کے تو کبھی معنی کا تصور نہیں کیا، تصدیق کیسی۔ اس نے ظاہری سلطنت کے علاوہ امامت کی کوئی اصلیت ہی نہیں قرار دی تاکہ وہ امیرالمومنینؑ کے لئے اس مرتبہ پر فائز ہونے کا پہلے یا بعد کبھی اقرار کرتی۔ بیشک دوسرے جزو کے متعلق اس نے اگرچہ اول ودوم وسوم دور تک آپ کے دعوی کو تسلیم نہیں کیا۔ لیکن چوتھے دور میں اس منصب کو آپ کے لئے قرار دیا۔ مگر نہ اس بنیاد پر جس بنیاد پر آپ اس کے شروع سے مدعی تھے۔ یعنی اس لئے کہ آپ امام روحانی نہ تھے لہٰذا سلطنت آپ کا قدرتی حق ہے۔ اس حیثیت سے دنیا نے اگر تسلیم کیا ہوتا تو پہلے ہی دن سے تسلیم کرتی چوتھے نمبر کے کوئی معنی نہ تھے۔

بلکہ اس نے سلطنت کو صرف سلطنت ہونے کے اعتبار سے اسی اصول وقرارداد کی بنیاد پر جو رواجی اور عملی حیثیت پر اس کے لئے مقرر ہو چکی تھی آپ کے لئے تسلیم کیا۔ جس میں امیر شام معاویہ بن ابی سفیان نے آپ کے ساتھ منازعت کی۔

امیر شام کی منازعت بھی آپ کے ساتھ امامت بمعنی خلافت حقہ سے تعلق نہ رکھتی تھی اس لئے کہ اس کا تو تعقل ہی ان لوگوں نے نہ کیا تھا۔ اس پر نزاع کے کیا معنی بلکہ نزاع اسی مادی حیثیت والی ظاہری سلطنت سے متعلق تھی جس کے کچھ اصول وآئین مسلمانوں کی جانب سے قرار دیئے جا چکے تھے اور امیرالمومنینؑ ان ہی اصول کے مطابق منتخب ہو چکے تھے۔

اس موقع پر امیرالمومنینؑ کا میدان مقابلہ اپنے مخالف امیر شام کے ساتھ صرف اسی سلطنت کے متعلق تھا جواب چوتھے دور میں قرارداده اصول کے مطابق آپ کے پائے نام ہوئی تھی اس لئے آپ کو اپنے دشمن کے مقابلہ میں اگر کچھ دلائل پیش کرنا ہوں اور موجودہ معرکہ نزاع میں اپنا استحقاق ثابت کرنا ہو تو وہ انہی اصول وشرائط کی بنیاد پر ہونا چاہئے جو مسلمانوں میں اس وقت طے شدہ حیثیت پا چکے تھے۔ اور اس حیثیت سے بھی حق آپ کے ساتھ تھا اور انہی اصول کے مطابق آپ نے اپنے مخالف پر حجت کو تمام کیا اور اس میں کامیابی حاصل کی ملاحظہ ہو حضرت کا وہ خط جو آپ نے امیر شام کے نام تحریر فرمایا ہے۔

نہج البلاغہ جلد ۲، ص ۷

"اِنَّهُ بَايَعَنِى الْقَوْمُ بَايَعُوْا اَبَابَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ عَلٰى مَابَايَعُوْهُمْ عَلَيْهِ فَلَمْ يَكُنْ لِلشَّاهِدِ اَنْ يَّخْتَارَ وَلَا لِلغَائِبِ اَن يَّرُدَّ وَاِنَّمَا الشُّوْرٰى لِلْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ فَاِنِ اجْتَمَعُوْا عَلٰى رَجُلٍ وَسَمَّوْهُ اِمَامًا كَانَ ذٰلِكَ لِلّٰهِ رَضِیً فَاِنْ خَرَجَ عَنْ اَمْرِهِمْ خَارِجٌ بِطَعْنٍ اَوْ بِدْعَةٍ رَدُّوْهُ اِلٰى مَاخَرَجَ مِنْهُ فَاِنْ اَبٰى قَاتَلُوْهُ عَلٰى اِتِّبَاعِهٖ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَوَلَّاهُ اللهُ مَاتَوَلّٰى"۔

''انھی لوگوں نے کہ جنھوں نے ابوبکر، عمر، عثمان کی بیعت کی تھی اب مجھ سے بیعت کی ہے۔ اسی اصول پر جس پر ان کی بیعت کی تھی لہٰذا (اس اصول کے مطابق) موجود ہونے والے کو (مدینہ میں) یہ حق نہیں کہ وہ پھر نظر ثانی کرے اور نہ (مدینہ میں) غیر موجود اشخاص کو یہ حق ہے کہ اس فیصلہ کو مسترد کریں۔ اور مشورہ کا حق صرف مہاجرین اور انصار (ساکنین مدینہ) کو ہے لہٰذا وہ اگر مجتمع ہو جائیں کسی شخص کے اوپر اور اس کا نام رکھ دیں امام (خلیفہ) تو اسی پر بس راضی ہونا چاہئے۔ اس کے بعد اگر کوئی شخص مخالفت کرے کسی اعتراض کی بناء پر یا کسی بدعت کی ایجاد کر کے تو یہ لوگ اسے واپس لانے کی کوشش کریں گے اور اگر وہ انکار کرے تو پھر یہ لوگ اس سے جنگ کریں گے اس لئے کہ اس نے مومنین کے راستہ کو ترک کیا تو خدا اس سے ہاتھ اٹھالے گا اور جانے دے گا جدھر جائے۔''

دوسرے خط میں تحریر فرماتے ہیں۔ (ص ۸)

لِاَنَّهَا بَيْعَةٌ وَاحِدَةٌ لَا يُثَنّٰى فِيهَا النَّظَرُ وَلَا يُسْتَأْنَفُ فِيهَا الْخِيَارُ اَلْخَارِجُ مِنْهَا طَاعِنٌ وَالْمُرَوِّى فِيهَا مُدَاهِنٌ۔

''کیونکہ یہ بیعت تو بس ایک ہی مرتبہ ہوتی ہے نہ اس میں نظر ثانی کی جاسکتی ہے اور نہ از سر نو اختیار ہو سکتا ہے۔ جو شخص اس سے خارج ہو وہ باغی سمجھا جائے اور جو اس میں لیت ولعل سے کام لے وہ منافق خیال کیا جائے۔''

بے شک یہ اس صورت اور موقع کے لحاظ سے جو آپ میں اور امیر شام میں مابہ النزاع تھی متعینہ طریق استدلال ہے جس کے سوا کچھ ہونا صحیح ہی نہیں ہے کیونکہ پہلی دوسری تیسری خلافتوں کی صحت وعدم صحت کا سوال تو ختم ہو چکا ہے اور گذر گیا۔ اب صورت واقعہ یہ ہے کہ تیسرے دور کے بعد بحیثیت چوتھے خلیفہ ہونے کے حضرت علیؑ کو امر سلطنت کا ذمہ دار بنایا گیا ہے اور امیر شام مدعی ہیں کہ مقتول خلیفہ سے رشتہ داری کی بناء پر میں اس کا حقدار ہوں تو اب امیر شام کے مقابلہ میں تو جو دلیل پیش کی جائے وہ اسی صورت واقعہ سے متعلق ہونا چاہئے، جو خلفائے ثلٰثہ کے دور خلافت کے بعد پائی جاتی ہے۔

رہ گئی اصولی بحث کہ آیا پہلے ہی خلفا کی خلافت درست تھی یا نہیں یا یہ کہ امامت روحانی اصل میں کس کا حق ہے، وہ نہ اس وقت مابہ النزاع ہے نہ اس پر کوئی بحث کرنے کا اور دلیل قائم کرنے کا محل ہے۔

اس صورت میں امیر المومنینؑ کے اس استدلال کو خلافت کی اصولی بحث میں پیش کرنا اور امامت کے مختلف فیہ مسئلہ کی سند قرار دے کر یہ کہنا کہ امیر المومنینؑ کا بھی نقطۂ نظر وہی تھا جو عام مسلمانوں کا ہے واقعیت سے چشم پوشی اور عام اشخاص کو فریب دہی نہیں تو اور کیا ہے۔

خلافت کی دوسری حیثیت یعنی امامت

(دوسری حیثیت) کی امامت جو حقیقتہً ریاست روحانی اور خدا کی طرف کا منصب ہے اس کا پتہ امیر المومنین کے کلمات میں متعدد مقامات پر موجود ہے۔ حضرت فرماتے ہیں۔

جلد اول ص ۲۹۴۔ اِنَّمَا الْاَئِمَّةُ قُوَّامُ اللّٰهِ عَلٰى خَلْقِهٖ وَعُرَفَاؤُهٗ عَلٰى عِبَادِهٖ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ عَرَفَهُمْ وَعَرَفُوْهُ وَلَا يَدْخُلُ النَّارَ اِلَّا مَنْ اَنْكَرَهُمْ وَاَنْكَرُوْهُ۔

''ائمہ خدا کی طرف سے مقرر شدہ ذمہ دار ہیں اس کے خلق کے اوپر، اس کے ترجمان ونمائندہ ہیں اس کے بندوں پر نہیں داخل ہوگا جنت میں مگر وہ جو انھیں پہچانتا ہو اور وہ اسے پہچانتے ہوں۔ اور نہیں داخل ہوگا جہنم میں مگر وہ شخص جو ان سے اجنبی ہو اور وہ اس سے اجنبی ہو''۔

یہ درجہ یقینا ظاہری سلاطین اور حکام سے تعلق نہیں رکھتا ہے بلکہ حقیقی منصبداران خداوندی کے متعلق ہے جو اسی کے مقرر کردہ ہو سکتے ہیں۔ یہی خدا کے حجت ہو سکتے ہیں اس کے بندوں کے اوپر ایک اور موقع کے اوپر حضرت نے بتلایا ہے کہ زمین کبھی حجت خدا سے خالی نہیں رہ سکتی۔ ملاحظہ ہو حضرت کا ارشاد کمیل بن زیاد نخعی سے۔ جلد ۲، ص ۱۸۰۔

لَا تَخْلُو الْاَرْضُ مِنْ قَائِمٍ لِلّٰهِ بِحُجَّةٍ اِمَّا ظَاهِراً مَشْهُوْراً وَاِمَّا خَائِفاً مَغْمُوْرًا لِئَلَّا تَبْطُلَ حُجَجَ اللّٰهِ وَبَيِّنَاتُهٗ۔

زمین خالی نہیں رہتی ایک ایسی ہستی سے جو خدا کی حجت تمام کرنے کا باعث ہو خواہ وہ ظاہر اور معروف ومشہور ہو اور خواہ خوفزدہ ظلم وجور کے پردوں میں چھپا ہوا ہو تا کہ خدا کی حجتیں اور اس کے دلائل باطل نہ ہو جائیں۔"

اس میں غیبت کی صورت پر بھی اشارہ موجود ہے اور حجت خدا کے وجود کی دو صورتیں ایک زمانۂ ظہور اور ایک زمانہ غیبت صاف مذکور ہیں۔

آپ نے امام کے فرائض خصوصی بھی بتلائے ہیں جو خالص مذہبی اور شرعی حیثیت رکھتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

جلد ا، ص ۲۱۹

اِنَّهٗ لَيْسَ عَلَى الْاِمَامِ اِلَّا مَا حُمِّلَ مِنْ اَمْرِ رَبِّهٖ الْاِبْلَاغُ فِي الْمَوْعِظَةِ وَالْاِجْتِهَادُ فِي النَّصِيْحَةِ وَالْاِحْيَآءُ لِلسُّنَّةِ وَاِقَامَةُ الْحُدُوْدِ عَلٰى مُسْتَحِقِّيْهَا وَاِصْدَارُ السُّهْمَانِ عَلٰى اَهْلِهَا۔

"امام کا جو کچھ فرض ہے وہ وہی ہے کہ جس کا وہ حامل بنایا گیا ہے اپنے پروردگار کے حکم سے پس موعظۂ خلق اور ہدایت میں تبلیغ کے فرض کو انجام دینا اور موعظہ ونصیحت میں جدوجہد صرف کرنا، سنتِ الٰہیہ کو قائم کرنا اور مستحقین پر حدود کو جاری کرنا اور زکوٰۃ وخمس وغیرہ کے حقوق کو ان کے مستحقین تک پہونچنے کا انتظام کرنا۔"

اس میں نہ انتظام ملکی کا تذکرہ ہے اور نہ فتح ممالک کا آپ نے اس امامت کا پتہ بھی دے دیا ہے کہ وہ اوصاف وکمالات کی بنا پر صرف بنی ہاشم کے کچھ افراد سے مخصوص ہے فرماتے ہیں۔

جلد ا ص ۲۸۱ اِنَّ الْاَئِمَّةَ مِنْ قُرَيْشٍ غُرِسُوْا فِيْ هٰذَا الْبَطْنِ مِنْ هَاشِمٍ لَا تَصْلُحُ عَلٰى سِوَاهُمْ۔

"ائمہ صرف قریش سے ہوں گے اور وہ بھی بنی ہاشم کی اس نسل میں قرار دیئے گئے ہیں۔ امامت ان کے غیر کے شایاں ہی نہیں ہے۔

آپ نے اس کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے کہ یہ سلسلہ آل محمد علیہم السلام میں ہمیشہ کے لئے جاری ہے اور کبھی زمین حجت خدا سے جو اس نسل سے ہو خالی نہ ہوگی۔

فرماتے ہیں جلد ا، ص ۳۱۰/

اَلَا اِنَّ مَثَلَ اٰلِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ كَمَثَلِ نُجُوْمِ السَّمَآءِ اِذَا خَوٰى نَجْمٌ طَلَعَ نَجْمٌ۔

"آگاہ ہو کہ مثال اہلبیت رسول کی مثل ستارہ ہائے فلک کے ہے۔ جب ایک ستارہ غروب ہوگا تو دوسرا ستارہ طلوع کرے گا۔"

ایک موقع پر آپ نے آخر میں آنے والے امام کا بھی تذکرہ کیا ہے جو زمین کو عدل وانصاف سے معمور کردے گا۔

فرماتے ہیں جلد ا، ص ۲۷۵/

اَلَا وَفِيْ غَدٍ وَسَيَاْتِيْ غَدٌ بِمَا لَا تَعْرِفُوْنَ يَاْخُذُ الْوَالِيْ مِنْ غَيْرِهَا عُمَّالَهَا عَلٰى مَسَاوِيْ اَعْمَالِهَا وَتُخْرِجُ لَهُ الْاَرْضُ اَفَالِيْذَ كَبِدِهَا وَتُلْقِيْ اِلَيْهِ سِلْمًا مَقَالِيْدَهَا فَيُرِيْكُمْ كَيْفَ عَدْلُ السِّيْرَةِ وَيُحْيِيْ مَيِّتَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ۔

"آگاہ ہو کہ کل (یعنی آئندہ کے یقینی وقت میں جیسا کہ قیامت کو فردائے قیامت کہا جاتا ہے اور عنقریب وہ کل آئے گا ایسی صورتوں کے ساتھ جنھیں تم جانتے نہ ہوگے ولی امر یعنی حاکم عادل موجودہ حکام سے ان کی بداعمالیوں کا مواخذہ کرے گا۔ اور زمین اس کے لئے اپنے جگر کے ٹکڑوں (خزانوں) کو ظاہر کردے گی وہ تمہیں دکھلائے گا کہ کیونکر ہوتی ہے عدالت سیرت میں اور زندہ کردے گا مردہ ہوجانے والی کتاب اور سنت کو۔

تیسرا امر

یعنی

حکومت وسلطنت حق امامؑ ہی کا ہے

اس کو حضرت علیؑ نے متعدد مقامات پر ظاہر فرمایا ہے اور اسی لئے آپ نے ان لوگوں کا قبضہ جو اس پر ناحق متمکن ہو جائیں ناجائز قرار دیا ہے اور اسے اہلبیت کا حق قرار دیا ہے۔ جنھیں ان کے اوصاف کے لحاظ سے رسول اللہؐ نے مقرر فرما دیا تھا۔

ملاحظہ ہو جلد اول صفحہ ۳۴/اس وقت جب خلافت کے منصب کو مسلمانوں نے آپ کے لئے تسلیم کیا ہے اور مسند سلطنت پر آپ متمکن ہوئے ہیں تو آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس میں فرماتے ہیں۔

لَایُقَاسُ بِاٰلِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ مِنْ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ اَحَدٌ وَلَا یُسَوّٰی بِھِمْ مَنْ جَرَتْ نِعْمَتُھُمْ عَلَیْہِ اَبَدًا ھُمْ اَسَاسُ الدِّیْنِ وَعِمَادُ الْیَقِیْنِ اِلَیْھِمْ یَفِیْئُ الْغَالِیْ وَبِھِمْ یُلْحَقُ التَّالِیْ وَلَھُمْ خَصَائِصُ حَقِّ الْوِلَایَۃِ وَفِیْھِمُ الْوَصِیَّۃُ وَالْوِرَاثَۃُ الْاٰنَ اِذْرَجَعَ الْحَقُّ اِلٰی اَھْلِہٖ وَنُقِلَ اِلٰی مُنْتَقَلِہٖ۔

"آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اس امت میں سے کسی کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا اور ان کے کبھی برابر نہیں ہو سکتے وہ لوگ جو ان کے ممنون احسان ہیں۔ یہ لوگ دین کی بنیاد اور یقین کے ستون ہیں ان کی طرف واپس آنا چاہئے اسے جو انھیں چھوڑ کر آگے بڑھ جائے اور ان تک پہنچنا چاہئے اس کو جو پیچھے رہ گیا ہو اور ان کے لئے حکومت وتصرف کے مخصوص حقوق ہیں اور ان میں رسولؐ کی وصیت اور آپ کی وراثت دونوں کا انحصار ہے۔ آج بے شک حق اپنے مستحق کی طرف واپس ہوا اور وہاں پہونچ گیا جہاں اسے پہونچنا چاہئے تھا۔"

ان الفاظ سے بالکل صاف ظاہر ہے کہ آپ ان لوگوں کو جو اس سے پہلے اس منصب پر متمکن تھے غیر مستحق اور نااہل قرار دے رہے ہیں اور حکومت کو مخصوص حق آل محمدؐ کا قرار دیتے ہیں جو ان میں وصیت یعنی رسول اللہ کی قرارداد کی بنا پر قائم ہے اور وہی وارث رسول بھی ہیں۔

خطبہ شقشقیہ میں جو تاریخی اعتبار سے اہم ترین حیثیت رکھتا ہے آپ نے بہت صفائی سے پہلے خلفاء کے متعلق اپنے خیالات کو ظاہر فرمایا ہے۔

جلد اول ص ۳۴

اَمَا وَاللّٰہِ لَقَدْ تَقَمَّصَھَا فُلَانٌ وَاِنَّہٗ لَیَعْلَمُ اَنَّ مَحَلِّیْ مِنْھَا مَحَلُّ الْقُطْبِ مِنَ الرَّحٰی یَنْحَدِرُ عَنِّی السَّیْلُ وَلَا یَرْقٰی اِلَیَّ الطَّیْرُ۔

"آگاہ ہو خدا کی قسم کہ اس خلافت کے لباس کو ابو قحافہ کے فرزند (ابوبکر) نے زبردستی پہن لیا حالانکہ انھیں معلوم تھا کہ میری جگہ اس خلافت میں وہ ہے جو چکی کے درمیان والے لوہے کی ہوتی ہے (کہ اگر وہ نہ ہو تو چکی گردش نہیں کر سکتی) میرا درجہ ایک بڑی پتھر کی چٹان کی طرح بلند ہے جس سے سیلاب کا پانی پھسلتا ہوا نیچے کی طرف بہہ کر جاتا ہے اور بلند پرواز پرند بھی مجھ تک نہیں پہونچ سکتا۔

عام نسخوں میں کسی پردہ داری کی مصلحت سے ابن ابی قحافہ کی جگہ (فلاں) کی لفظ رکھ دی گئی ہے لیکن حقیقت حال اس موقع پر اس درجہ روشن ہے کہ وہ کسی پردہ سے چھپائی نہیں جا سکتی۔ علامہ شیخ ابن عبدہ نے اس کی شرح میں صاف لکھ دیا ہے کہ

الضمیر یرجع الی الخلافۃ وفلان کنایۃ عن الخلیفۃ الاول ابی بکر رضی اللہ عنہ۔

"ضمیر یہ خلافت کی طرف راجع ہے اور فلاں کی لفظ کنایہ ہے خلیفہ اول حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے۔"

اس کے بعد یہ امر کسی تصریح کا محتاج نہیں رہتا کہ آپ پہلی خلافت کو بالکل ناجائز سمجھتے تھے جو سنگ بنیاد ہے اس کے بعد کی دوسری خلافتوں کا اور اس خلافت کے تشریف لے جانے کے بعد پھر یہ پوری عمارت ہی بے بنیاد ہو جاتی ہے۔ حالانکہ اس خطبہ میں آپ نے اس کے بعد دوسری اور تیسری خلافت پر بھی سخت الفاظ میں تبصرہ فرمایا ہے جو بالکل ان خلافتوں کے بارے میں آپ کے عقیدہ کا آئینہ بردار ہے۔

اسی لئے بہت سے تنگ نظر افراد کی طرف سے یہ کوشش کی

گئی ہے کہ کم از کم اس خطبہ کو امیر المومنینؑ کے کلام سے خارج کر دیا جائے لیکن خود اہل سنت میں سے تحقیق شیوہ وسیع النظر علماء نے اس کوشش کو نقش بر آب بنا دیا اپنے ان تصریحات سے جو اس خطبہ کے کلام امیر المومنینؑ ہونے کے متعلق موجود ہیں بلکہ دلائل کے ساتھ انھوں نے ان خیالات کو رد کر دیا ہے جو اس کے خلاف پیدا کئے جا سکتے ہیں۔

''نہج البلاغہ کا استناد'' جو رسالہ اس کے پہلے شائع ہو چکا ہے اس میں یہ تصریحات درج ہیں۔

ص ۷۴۔ اس موقع پر آپ کو مشورہ دیا گیا ہے کہ طلحہ وزبیر کا مقابلہ نہ کیجئے آپ کا جو کلام ہے اس میں فرماتے ہیں۔

فَوَاللهِ مَا زِلْتُ مَدْفُوْعًا عَنْ حَقِّيْ مُسْتَأْثَرًا عَلَيَّ مُنْذُ قَبَضَ اللهُ نَبِيَّهٗ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ حَتّٰى يَوْمِ النَّاسِ هٰذَا۔

''خدا کی قسم مجھے برابر میرے حق سے ہٹایا جاتا رہا اور میرے حقوق پر قبضہ کیا جاتا رہا جب سے حضرت رسولؐ کی وفات ہوئی آج کے دن تک۔''

ص ۱۳۵۔ جب حضرت عثمان کی بیعت کا مرحلہ درپیش تھا آپ نے فرمایا۔

لَقَدْ عَلِمْتُمْ اَنِّيْ اَحَقُّ النَّاسِ بِهَا مِنْ غَيْرِيْ وَوَاللهِ لَاُسْلِمَنَّ مَا سَلِمَتْ اُمُوْرُ الْمُسْلِمِيْنَ وَلَمْ يَكُنْ فِيْهَا جَوْرٌ اِلَّا عَلَيَّ خَاصَّةً اِلْتِمَاسًا لِاَجْرِ ذٰلِكَ وَفَضْلِهٖ وَزُهْدًا فِيْمَا تَنَافَسْتُمُوْهُ مِنْ زُخْرُفِهٖ وَزِبْرِجِهٖ۔

''تم سب کو معلوم ہے کہ میں اس منصب کا سب سے زیادہ حقدار ہوں مگر بخدا میں خاموشی سے کام لیتا رہوں گا جب تک کہ مسلمانوں کے معاملات ٹھیک رہیں اور ظلم وناانصافی جو کچھ ہو وہ صرف میری ذات پر رہے میری یہ خاموشی اجر وثواب کے حاصل کرنے کے لئے ہے اور بے رغبتی کا نتیجہ ہے دنیا کے اس ساز وسامان میں جس پر تم لوگ جان دے رہے ہو۔''

اس میں آپ نے اپنا مستحق ہونا بھی ثابت کیا ہے اور یہ بھی بتلایا ہے کہ اس معاملہ میں شروع سے جو کچھ ہوا وہ آپ کے حق میں ظلم اور ناانصافی کی حیثیت رکھتا ہے۔

ص ۱۷/۔۱۸/ ایک شخص نے آپ کے اصحاب میں سے دریافت کیا کہ کیونکر آپ کو ان لوگوں نے اس منصب سے ہٹا دیا حالانکہ آپ سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ یہ وہ وقت ہے جب مسلمانوں کی طرف سے چوتھے درجہ پر آپ کی خلافت تسلیم ہو چکی ہے۔ یہ سوال اس موقع پر اٹھانا بالکل موقع کے خلاف تھا۔ اس پر آپ نے سائل کو متنبہ بھی فرمایا لیکن پھر بھی آپ نے جو جواب دیا ہے اس میں اپنی حقیقت کا اظہار کر دیا ہے۔

فرمایا:۔

اَمَّا الْاِسْتِبْدَادُ عَلَيْنَا بِهٰذَا الْمَقَامِ وَنَحْنُ الْاَعْلَوْنَ نَسَبًا وَالْاَشَدُّوْنَ بِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ نَوْطًا فَاِنَّهَا كَانَتْ اَثَرَةً شَحَّتْ عَلَيْهَا نُفُوْسُ قَوْمٍ وَسَخَتْ عَنْهَا نُفُوْسُ اٰخَرِيْنَ وَالْحَكَمُ اللهُ وَالْمَعْوَدُ اِلَيْهِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔

''یہ جو ہمارے مقابلہ میں اس منصب کے متعلق استبداد سے کام لیا گیا حالانکہ ہماری خاندانی خصوصیت بلند درجہ پر تھی اور ہم کو رسولؐ اللہ سے سب زیادہ تعلق تھا، یہ ایک بے انصافی تھی جس میں بعض لوگوں نے بخل سے کام لیا اور دوسری جماعت نے فیاضی صرف کی اور فیصلہ کرنے والا خدا ہے اور آخر میں سب کو اس کے پاس پہونچنا ہے۔''

''فیاضی'' سے عملی طور پر جنگ وجدال اور منازعت سے کام نہ لینا مراد ہے۔ اس سے یہ نتیجہ کسی طرح نہیں نکالا جا سکتا کہ اس حق کے دوسروں کے پاس چلے جانے پر رضامندی اختیار کر لی گئی ورنہ اس کے بعد کے فقرہ کا کوئی محل نہیں تھا کہ ''فیصلہ کرنے والا خدا ہے اور سب کو اس کے پاس جانا ہے۔''

اس سے صاف ظاہر ہے کہ بنائے مخاصمت فریق مخالف سے بارگاہ خداوندی میں دعویٰ کے لئے موجود ہے اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ حق سے درگذر کر کے خوشنودی سے کام نہیں

لیا گیا۔

ص ۳۴۰ر میں ہے۔

قَدْ قَالَ قَائِلٌ اِنَّكَ عَلٰى هٰذَا الْاَمْرِ يَا ابْنَ اَبِيْ طَالِبٍ لَحَرِيْصٌ فَقُلْتُ بَلْ اَنْتُمْ وَاللّٰهِ لَاَحْرَصُ وَاَبْعَدُ وَاَنَا اَخَصُّ وَاَقْرَبُ وَاِنَّمَا طَلَبْتُ حَقًّا لِّيْ وَاَنْتُمْ تَحُوْلُوْنَ بَيْنِيْ وَبَيْنَهٗ وَتَضْرِبُوْنَ وَجْهِيْ دُوْنَهٗ۔

''ایک کہنے والے نے کہا کہ تم اے فرزند ابوطالب اس منصب خلافت کی بہت لالچ رکھتے ہو۔ میں نے کہا کہ بخدا لالچی توتم لوگ ہو اور میں تو خصوصیت رکھتا ہوں اور قریب درجہ رکھتا ہوں اور اپنا ایک حق طلب کرتا ہوں جو مجھ سے مخصوص ہے اور تم لوگ مجھے اس حق تک پہونچنے سے مانع ہوتے ہو اور سدراہ ہوتے ہو''۔

اس کے بعد آپ نے بارگاہ الٰہی میں حسب ذیل الفاظ میں مناجات کی۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْتَعْدِيْكَ عَلٰى قُرَيْشٍ فَاِنَّهُمْ قَطَعُوْا رَحِمِيْ وَصَغَّرُوا عَظِيْمَ مَنْزِلَتِيْ وَاَجْمَعُوْا عَلٰى مُنَازِعَتِيْ اَمْرًا هُوَ لِيْ۔

''بارالہا میں تجھ سے فریاد کرتا ہوں قریش اور ان کے مددگاروں کی کہ انھوں نے میری قرابت کے لحاظ کو دور کیا اور میری عزت اور درجہ کو کم کیا اور میرے خلاف ایکا کیا اس امر کے مجھ سے چھین لینے میں جو مجھ سے مخصوص ہے۔''

ص ۴۶۴ر میں اس دعا کے یہ الفاظ ہیں۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْتَعْدِيْكَ عَلٰى قُرَيْشٍ فَاِنَّهُمْ قَدْ قَطَعُوْا رَحِمِيْ وَاَكْفَؤُوْا اِنَائِيْ وَاَجْمَعُوْا عَلٰى مُنَازِعَتِيْ حَقًّا كُنْتُ اَوْلٰى بِهٖ مِنْ غَيْرِيْ۔

مطلب اس کا بھی وہی ہے صرف لفظوں کا تھوڑا سا فرق ہے۔

جلد دوم صفحہ ۶۳ میں ایک خط کے ذیل میں جو حضرت نے اپنے بھائی عقیل کو لکھا ہے یہ الفاظ ہیں۔

فَجَزَتْ قُرَيْشًا عَنِّي الْجَوَازِيْ فَقَدْ قَطَعُوْا رَحِمِيْ وَسَلَبُوْنِيْ سُلْطَانَ ابْنِ اُمِّيْ۔

''خدا قریش سے میرے متعلق ان کی بدسلوکی کا بدلا لے۔ انھوں نے میری قرابت کے لحاظ کو دور کیا اور میرے بھائی کی حکومت کے منصب کو مجھ سے دور کیا۔

جلد دوم صفحہ ۱۲۳ میں اس فرمان کے ذیل میں جو اہل مصر کے نام تحریر فرمایا ہے لکھا ہے۔

مَا كَانَ يُلْقٰى فِيْ رُوْعِيْ وَلَا يَخْطُرُ بِبَالِيْ اِنَّ الْعَرَبَ تُزْعِجُ هٰذَا الْاَمْرَ مِنْ بَعْدِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ عَنْ اَهْلِ بَيْتِهٖ وَلَا اَنَّهُمْ مُنَحُّوْهُ عَنِّيْ مِنْ بَعْدِهٖ فَمَا رَاعَنِيْ اِلَّا انْثِيَالُ النَّاسِ عَلٰى فُلَانٍ يُبَايِعُوْنَهٗ فَاَمْسَكْتُ يَدِيْ۔

''مجھے کبھی یہ تصور بھی نہیں ہوتا تھا کہ عرب قوم اس خلافت کے منصب کو آنحضرتؐ کے بعد آپ کے اہل بیت سے ہٹالے گی اور مخصوص مجھ سے اس کو دور کرے گی لیکن ایک مرتبہ یہ صورت نظر آئی کہ لوگ ابوبکر پر ٹوٹ پڑے ہیں اور ان کی بیعت کر رہے ہیں یہ دیکھ کر بس میں نے ہاتھ روک لیا۔''

ان عبارتوں سے یہ حقیقت بالکل بے نقاب ہوجاتی ہے کہ حضرت علیؑ پہلے خلفاء کی سلطنت کو جائز اور صحیح نہیں سمجھتے تھے اور خلافت کو اپنا مخصوص حق جانتے تھے اور دوسرے لوگوں کا قبضہ اس پر غاصبانہ قرار دیتے تھے، جس کے فیصلہ کے لئے قیامت کے دن کے منتظر تھے۔

اہلبیتؑ رسولؐ کی پیشوائی

حضرت نے کثیر التعداد مواقع پر اہلبیت کے فضائل اور ان کے خصوصیات کو نہایت نمایاں الفاظ میں پیش کیا ہے اور بتلایا ہے کہ دین اور شریعت کا صحیح علم انہی سے حاصل ہوسکتا ہے اور مسلمانوں کے حقیقی مقتدا وہی بن سکتے ہیں۔ ملاحظہ ہوں ذیل کے ارشادات۔

ص ۳۳ر آل محمدؐ کے وصف میں ہے۔ مَوْضِعُ سِرِّهٖ وَلَجَاُ اَمْرِهٖ وَعَيْبَةُ عِلْمِهٖ وَمَوْئِلُ حُكْمِهٖ وَكُهُوْفُ كُتُبِهٖ

وَجِبَالُ دِیْنِهٖ بِهِمْ اَقَامَ انْحِنَآءَ ظَهْرِهٖ وَاَذْهَبَ ارْتِعَادَ فَرَائِصِهٖ۔

''یہ لوگ رسولؐ اللہ کے اسرار کے حامل اور آپ کی شریعت کی پشت پناہ آپ کے علم کا ظرف اور آپ کی حکمتوں کا مرکز اور آپ کی کتاب کے اجزاء کی شیرازہ بندی کرنے والے اور آپ کے دین کے پہاڑ ہیں۔ انہی کے ذریعہ سے دین میں قوت اور پائداری پیدا ہوئی اور اس کے جوڑ بند کی تھرتھری دور ہوئی ہے۔'' (ص۲۰۶ میں ہے۔)

اُنْظُرُوْا اَهْلَ بَیْتِ نَبِیِّكُمْ فَالْزَمُوْا سَمْتَهُمْ وَاتَّبِعُوْا اَثَرَهُمْ فَلَنْ یُّخْرِجُوْكُمْ مِنْ هُدًى وَلَنْ یُّعِیْدُوْكُمْ فِیْ رَدًى فَاِنْ لَبَدُوْا فَالْبُدُوْا وَاِنْ نَهَضُوْا فَانْهَضُوْا وَلَا تَسْبِقُوْهُمْ فَتَضِلُّوْا وَلَا تَتَاَخَّرُوْا عَنْهُ فَتَهْلِكُوْا۔

''اپنے نبیؐ کے اہلبیتؑ کو دیکھو ان کی طرف رہنے کے پابند رہو۔ اور ان کے نقش قدم پر چلتے رہو۔ یہ تم کو کبھی ہدایت کے دائرہ سے باہر نہیں نکالیں گے اور ہلاکت میں ڈالیں گے نہیں۔ اگر یہ بیٹھ جائیں تو بیٹھ جاؤ اور یہ اٹھیں تو تم بھی اٹھو ان کے آگے نہ بڑھو کہ گمراہ ہو جاؤ اور نہ ان کے پیچھے رہو کہ ہلاکت میں مبتلا ہو''۔

اس میں یہ بھی آپ نے واضح فرمادیا ہے کہ اہلبیت کو صرف قرابت کی بناء پر فضیلت نہیں حاصل ہے بلکہ تعلیمات رسولؐ کی حقیقی روح انہی کے پاس ہے۔ اس لئے ان کی پیروی لازم ہے۔

ص ۲۳۲ نَحْنُ شَجَرَةُ النُّبُوَّةِ وَمَحَطُّ الرِّسَالَةِ وَمُخْتَلَفُ الْمَلٰٓئِكَةِ وَمَعَادِنُ الْعِلْمِ وَیَنَابِیْعُ الْحُكْمِ نَاصِرُنَا وَمُحِبُّنَا یَنْتَظِرُ الرَّحْمَةَ وَعَدُوُّنَا وَمُبْغِضُنَا یَنْتَظِرُ السَّطْوَةَ۔

''ہم نبوت کا درخت ہیں اور رسالت کے اترنے کی جگہ ہیں اور فرشتوں کے آمد ورفت کا محل اور علم کی کان اور حکمت کے سرچشمہ ہیں۔ ہمارے مددگار اور دوست کو رحمت کا امیدوار اور ہمارے دشمن کو عذاب الٰہی کا منتظر رہنا چاہئے۔''

ص ۲۵۰ عِنْدَنَا اَهْلَ الْبَیْتِ اَبْوَابُ الْحُكْمِ وَضِیَاءُ الْاَمْرِ۔

''ہم اہلبیت کے پاس علم وحکمت کے دروازے ہیں اور دین اور شریعت کی روشنی ہے۔''

ص ۲۹۷، نَحْنُ الشِّعَارُ وَالْاَصْحَابُ وَالْخَزَنَةُ وَالْاَبْوَابُ وَلَا تُؤْتَی الْبُیُوْتُ اِلَّا مِنْ اَبْوَابِهَا۔ فَمَنْ اَتَاهَا مِنْ غَیْرِ اَبْوَابِهَا سُمِّیَ سَارِقًا۔

''ہم رسول سے بالکل متصل اور آپ کے ہر وقت کے ساتھی اور خزانہ دار اور دروازے ہیں اور گھروں میں داخل نہیں ہوا جاسکتا ہے مگر دروازوں سے جو شخص بغیر دروازہ کے کسی دوسرے راستہ سے داخل ہو وہ چور ہوگا۔''

اس میں آپ نے اس امر پر بھی روشنی ڈالی ہے کہ اگر صحبت ہی سبب شرف اور معیار فوقیت سمجھی جائے تو صحبت رسول کی جیسی اہلبیت کو حاصل ہے ویسی کسی کو بھی نہیں ہے اس لئے اس حیثیت سے بھی خصوصیت ان کو حاصل ہے اور کسی کو بھی نہیں ہے۔ نیز یہ کہ آپ کے علوم کے حاصل کرنے کا ذریعہ صرف اہلبیت ہیں جس طرح مکان میں داخل ہونے کا ذریعہ اس کا دروازہ ہوتا ہے۔ (ص۲۹۸ ر میں ہے۔)

فِیْهِمْ كَرَائِمُ الْقُرْاٰنِ وَهُمْ كُنُوْزُ الرَّحْمٰنِ اِنْ نَطَقُوْا صَدَقُوْا وَاِنْ صَمَتُوْا لَمْ یُسْبَقُوْا۔

''آل محمد علیہم السلام ہی وہ ہیں جن کے بارے میں قرآن کی بزرگ آیتیں نازل ہوئی ہیں اور یہ خدا کی رحمت کے خزانے ہیں اگر یہ بات کریں گے تو سچ ہی بات کریں گے اور جب یہ سکوت کریں تو کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ ان پر سبقت کرے۔''

ص ۴۹۵ ر آل محمد علیہم السلام کے ذکر میں فرماتے ہیں۔

هُمْ عَیْشُ الْعِلْمِ وَمَوْتُ الْجَهْلِ یُخْبِرُكُمْ حِلْمُهُمْ عَنْ عِلْمِهِمْ وَصَمْتُهُمْ عَنْ حِكَمِ مَنْطِقِهِمْ لَا یُخَالِفُوْنَ الْحَقَّ وَلَا یَخْتَلِفُوْنَ فِیْهِ هُمْ دَعَائِمُ الْاِسْلَامِ۔

"یہ علم کی زندگی ہیں اور جہالت کے لئے موت کا سبب ہیں ان کی بردباری ان کے علم کی آئینہ بردار اور ان کی خاموشی ان کی حکیمانہ گویائی کی ترجمان ہے وہ حق کی مخالفت نہیں کرتے اور نہ اس میں اختلاف کرتے ہیں وہ دین کے ستون ہیں۔"

جلد ۲ ص ۳۲ میں آپ نے امیر معاویہ کے خط میں یہ وسیع معنی خیز جملہ تحریر فرما دیا ہے کہ:۔

فَاِنَّا صَنَائِعُ رَبِّنَا وَالنَّاسُ بَعْدُ صَنَائِعُ لَنَا۔

"ہم براہ راست اپنے خدا کے ساختہ و پرداختہ اور احسان مند ہیں اور پھر تمام لوگ اس کے بعد ہمارے ہاتھوں کے ساختہ و پرداختہ اور ممنون احسان ہیں۔"

سقیفہ کی کاروائیوں پر تبصرہ

سقیفہ میں انصار کے مقابلہ میں جس طرح مسئلہ خلافت میں کامیابی حاصل کی گئی ہے اور جن دلائل سے اپنی حقانیت کا ثبوت پیش کیا گیا ہے خود ان ہی دلائل سے ان کے مقابلہ میں حضرت علیؑ بن ابی طالب کی حقیت ثابت ہوتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ آج کل کے مسلمان خلافت کے لئے جمہوریت ورائے عامہ کے اصول کی تشکیل کریں لیکن جبکہ اس خلافت کی داغ بیل پڑ رہی تھی تو حضرت ابوبکر وعمر نے اس کو صرف قرابت کے اصول پر حاصل کیا تھا۔ رسالہ "نگار" لکھنؤ میں جو مسئلہ خلافت وامامت" پر آخری مضمون شائع ہوا ہے اور جسے امامیہ مشن کی جانب سے "خلافت وامامت" حصہ چہارم میں شائع کیا گیا ہے اس میں یہ بحث بہت تفصیل سے موجود ہے۔

امیر المومنینؑ کو جب سقیفہ کے حالات معلوم ہوئے تو آپ نے واضح طور سے اس امر پر تبصرہ فرمایا کہ:۔

جو دلائل سقیفہ میں پیش کئے گئے ہیں ان کا نتیجہ ہماری حقیقت ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔

ملاحظہ ہو ص ۱۲۶۔ حضرت نے دریافت فرمایا کہ قریش نے انصار کے مقابلہ میں کیا دلیل پیش کی۔ بیان کیا گیا کہ انھوں نے یہ دلیل پیش کی کہ ہم "شجرۃ الرسول" ہیں یعنی رسول اللہ سے قریبی رشتہ داری رکھتے ہیں۔

حضرت نے فرمایا:۔

اِحْتَجُّوْا بِالشَّجَرَةِ وَاَضَاعُوا الثَّمَرَةَ۔

"ان لوگوں نے درخت کو دلیل میں پیش کیا اور اس کے میوہ کو برباد کیا۔"

مطلب یہ ہے کہ اگر "شجرۃ الرسول" میں ہونا ان کی حقیت کے لئے کافی ہوسکتا ہے تو آل رسول جو حقیقۃ "شجرۃ الرسول" کا ثمرہ ہیں ان کی حق تلفی کیونکر جائز ہوسکتی ہے۔

جلد دوم ص ۳۴ میں اس خط کے ذیل میں جو آپ نے معاویہ کو لکھا ہے اسے حسب ذیل واضح الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

لَمَّا احْتَجَّ الْمُهَاجِرُوْنَ عَلَى الْاَنْصَارِ يَوْمَ السَّقِيْفَةِ بِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ فَلَجُوْا عَلَيْهِمْ فَاِنْ يَكُنِ الْفَلَجُ بِهٖ فَالْحَقُّ لَنَا دُوْنَكُمْ وَاِنْ يَكُنْ بِغَيْرِهٖ فَالْاَنْصَارُ عَلٰى دَعْوَاهُمْ۔

"جب مہاجرین نے انصار کے مقابلہ میں استدلال پیش کیا رسولؐ اللہ کے ساتھ قرابت کی بناء پر تو ان کے مقابلہ میں کامیاب ہوگئے۔ اگر کامیابی اس دلیل سے ہوسکتی ہے تو حق ہمارا ثابت ہوتا ہے۔ ان لوگوں کا نہیں اور اگر یہ دلیل کوئی وزن نہیں رکھتی تو پھر انصار اپنے دعوی پر باقی ہیں ان کو خلافت کے حق سے محروم کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

خلفاء کے بارے میں آپ کے خیالات

گذشتہ بیانات ہی صاف طور سے اس حقیقت کو بے نقاب کردیتے ہیں کہ آپ ان خلفاء کو جو مسند رسولؐ پر متمکن ہوگئے تھے اچھی نظر سے نہ دیکھتے تھے۔ ان میں سب سے واضح اور صاف خطبہ شقشقیہ ہے جس کے ابتدائی فقرات جو حقیت خلافت سے متعلق ہیں اس کے پہلے درج ہوچکے ہیں۔

آپ نے اس میں دوسری اور تیسری خلافت پر جو تبصرہ فرمایا ہے وہ بھی سن لیجئے۔(۳۵۔۴۰)

حَتّٰى مَضَى الْاَوَّلُ لِسَبِيْلِهٖ فَاَدْلٰى بِهَا اِلٰى فُلَانٍ

بَعْدَہٗ (ثم تمثل بقول الاحشی)

شَتَّانَ مَا یَوْمِیْ عَلٰی کُوْرِھَا
وَیَوْمَ حَیَّانَ اَخِیْ جَابِرِ

فَیَا عَجَبًا!! بَیْنَا ھُوَ یَسْتَقِیْلُھَا فِیْ حَیَاتِہٖ اِذْ عَقَدَ ھَالِاٰخَرَ بَعْدَ وَفَاتِہٖ لَشَدَّ مَا تَشَطَّرَا ضَرْعَیْھَا فَصَیَّرَ ھَا فِیْ حَوْزَۃٍ خَشْنَاءَ یَغْلُظُ کَلَامُھَا وَیَخْشُنُ مَسُّھَا وَیَکْثُرُ الْعِثَارُ فِیْھَا وَالْاِعْتِذَارُ مِنْھَا فَصَاحِبُھَا کَرَاکِبِ الصَّعْبَۃِ اِنْ اَشْنَقَ لَھَا خَرَمَ وَاِنْ اَسْلَسَ لَھَا تَقَحَّمَ فَمُنِیَ النَّاسُ لَعَمْرُ اللہِ بِخَبْطٍ وَشِمَاسٍ وَتَلَوُّنٍ وَاعْتِرَاضٍ فَصَبَرْتُ عَلٰی طُوْلِ الْمُدَّۃِ وَشِدَّۃِ الْمِحْنَۃِ حَتّٰی اِذَا مَضٰی لِسَبِیْلِہٖ جَعَلَھَا فِیْ جَمَاعَۃٍ زَعَمَ اَنِّیْ اَحَدُھُمْ فَیَا لَلہِ وَلِلشُّوْرٰی مَتٰی اِعْتَرَضَ الرَّیْبُ فِیَّ مَعَ الْاَوَّلِ مِنْھُمْ حَتّٰی صِرْتُ اُقْرَنُ اِلٰی ھٰذِہِ النَّظَائِرِ۔

''جب خلیفہ اول دنیا سے چل بسے تو انھوں نے اس خلافت کو دوسرے آدمی (عمر بن الخطاب) کے سپرد کیا۔ پھر آپ نے اعشی کا شعر بطور مثال پڑھا جس کا مطلب یہ ہے کہ کہاں وہ زمانہ جب رسولؐ اللہ کے زمانہ میں میری ہر طرح عزت وحرمت تھی اور کہاں یہ دور۔

کتنے تعجب کی بات ہے کہ کہاں تو وہ اپنی زندگی کے دور میں اس خلافت کے منصب سے معافی مانگتے تھے (اشارہ ہے حضرت ابوبکر کے اس خطبہ کی طرف جس میں آپ نے کہا تھا ''اقیلونی اقیلونی فلست بخیر کم'' مجھے معاف کردو معاف کردو۔ میں تم میں کچھ بہتر نہیں ہوں۔'' اور کہاں اس خلافت کو انھوں نے اپنے انتقال کے بعد دوسرے کے لئے مقرر کردیا۔ کتنی سختی کے ساتھ ان دونوں آدمیوں نے خلافت کے تھنوں کو اپنے درمیان تقسیم کیا۔ خلیفۂ اول نے اس کو قرار دے دیا ایک سخت جگہ پر جو سنگ لاخ اور درشت ہے اور جس میں ٹھوکریں بہت لگتی ہیں اور عذر کی ضرورت بہت پڑتی ہے۔ جس کو اس سے سابقہ پڑے وہ اس ناقہ کے سوار کی طرح ہے جس کی یہ حالت ہے کہ اگر اس کی مہار زور سے کھینچی جائے تو وہ اپنے نتھنوں کو زخمی کئے دیتا ہوا اور اگر ڈھیل دے دے تو وہ جا کر تالے کھولے میں گر پڑے۔ پس لوگ مبتلا ہوگئے بخدا ہاتھ پاؤں مارنے میں اور سرکشی میں اور رنگ بدلنے میں اور بے راہ روی میں۔ میں نے اس دور میں بھی باوجود مدت طولانی ہونے کے تحمل سے کام لیا یہاں تک کہ یہ بھی اپنے راستے پر گئے۔ (انتقال ہوا) تو وہ اس خلافت کو کچھ لوگوں کے درمیان قرار دے گئے جن میں سے انھوں نے مجھے بھی ایک خیال کیا۔ خدا سمجھے اس شوریٰ کی کمیٹی سے۔ کب شک وشبہہ تھا میری حیثیت میں ان میں سے پہلے شخص (ابوبکر) کے مقابلہ میں جو اب مجھے برابر لایا گیا ایسے اشخاص کے ساتھ۔

آپ کا اختلاف خلفاء سے اتنا نمایاں امر تھا کہ جو ہر شخص کو معلوم تھا چنانچہ معاویہ نے ایک خط میں اس کو آپ کے مقابلہ میں بطور اعتراض پیش کیا اور یہ لکھا کہ آپ نے تمام خلفاء پر حسد کیا اور سب سے بغاوت کی۔ اس کے جواب میں حضرت نے اصل حقیقت سے کہ آپ کو ان لوگوں سے اختلاف تھا انکار نہیں کیا بلکہ اس کی اس تعریض کو صرف بے محل اور خلاف موقع بتایا اس بناء پر کہ اس کا زیر بحث مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں۔

جلد دوم صفحہ ۳۴۔ امیر المومنین نے جو معاویہ کو جواب لکھا ہے اس میں تحریر فرمایا ہے۔

وَزَعَمْتَ اَنِّیْ لِکُلِّ الْخُلَفَاءِ حَسَدْتُ وَعَلٰی کُلِّھِمْ بَغَیْتُ فَاِنْ یَکُنْ ذٰلِکَ کَذٰلِکَ فَلَیْسَتِ الْجِنَایَۃُ عَلَیْکَ فَیَکُوْنَ الْعُذْرُ اِلَیْکَ وَتِلْکَ شَکَاۃٌ ظَاھِرٌ عَنْکَ عَارُھَا۔

''تم نے یہ خیال کیا کہ میں نے سب خلفاء پر حسد کیا ہے اور سب کے مقابلہ میں بغاوت سے کام لیا۔ اگر ایسا بھی ہو تو یہ تمہارا کوئی جرم نہیں تھا کہ میں تم سے اس کی معذرت چاہوں۔ یہ ایسی بات ہے جس کے نتیجہ سے تم کو کوئی تعلق ہی نہیں۔''

یہ بھی معاویہ نے لکھا تھا کہ آپ کی حالت اس زمانہ میں یہ تھی کہ جبریہ طور پر بیعت کے لئے کھینچ کر لائے جاتے تھے جس

طرح اونٹ کو کھینچ کرلاتے ہیں۔آپ نے اس کے جواب میں بھی اصل حقیقت سے انکار نہیں کیا ہے فرماتے ہیں:۔

"وَقُلْتُ اِنِّیْ کُنْتُ اُقَادُ کَمَا یُقَادُ الْجَمَلُ الْمَخْشُوْشُ حَتّٰی اُبَایِعَ وَلَعَمْرُ اللّٰہِ لَقَدْ اَرَدْتَ اَنْ تَذُمَّ فَمَدَحْتَ وَاَنْ تَفْضَحَ فَافْتَضَحْتَ وَمَا عَلَی الْمُسْلِمِ مِنْ غَضَاضَۃٍ فِیْ اَنْ یَکُوْنَ مَظْلُوْمًا مَالَمْ یَکُنْ شَاکًّا فِیْ دِیْنِہٖ وَلَا مُرْتَابًا بِیَقِیْنِہٖ۔

''تم نے کہا ہے کہ میں کھینچا جاتا تھا جس طرح وہ اونٹ کھینچا جاتا ہے جس کے نکیل بندھی ہوئی ہوتا کہ بیعت کروں، بخدا تم نے چاہا تھا کہ مذمت کرو لیکن تعریف کردی اور مجھے رسوا کرو مگر خود تمہاری رسوائی ہوئی۔ایک مسلمان کے لئے کوئی عیب نہیں اس میں کہ وہ مظلوم ہو جب تک کہ وہ اپنے دین میں شک کرنے والا اور اپنے یقین کامل میں متزلزل نہ ہو۔''

ج ۲ ص ۱۸۷، میں آپ کا یہ قول درج ہے کہ:۔

وَاعَجَبَاہُ اَتَکُوْنُ الْخِلَافَۃُ بِالصَّحَابَۃِ وَالْقَرَابَۃِ۔

''عجیب! کیا خلافت صحبت اور قرابت ہی کی بنیاد پر قائم ہے۔''

آپ کا یہ شعر بھی اسی مضمون سے متعلق ہے۔

فَاِنْ کُنْتَ بِالشُّوْرٰی مَلَکْتَ اُمُوْرَھُمْ
فَکَیْفَ بِھٰذَا وَالْمُشِیْرُوْنَ غُیَّبٗ
وَاِنْ کُنْتَ بِالْقُرْبٰی حَجَجْتَ خَصِیْمَھُمْ
فَغَیْرُکَ اَوْلٰی بِالنَّبِیِّ وَاَقْرَبُ

(یعنی اگر تم شوریٰ سے مسلمانوں کی حکومت پر متمکن ہوئے ہو تو یہ کس طرح صحیح ہوسکتا ہے جبکہ مشورہ دینے والے موجود ہی نہ تھے کیونکہ سقیفہ میں تمام مسلمانوں کی نمائندگی نہ تھی اور اہلبیت رسولؐ میں سے کوئی فرد موجود نہ تھی) اور اگر تم قرابت سے اپنی مخالف جماعت (انصار) پر غالب آئے ہو تو تمہارے سوا دوسرا شخص (یعنی خود حضرت علیؑ) تم سے زیادہ رسولؐ کے ساتھ خصوصیت کا مالک ہے اور قرابت رکھتا ہے۔''

(باقی آئندہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔)

بقیہ صفحہ ۔۔۔۔۔۳۲۔۔۔۔اہل کوفہ اور تشیع

حسینؑ کے خون کا بدلہ لینے میں مارے جائیں، شاید اس سے ان کے گناہوں کے بوجھ اور عذاب کی سختی میں کچھ کمی ہوجائے، اس روز ان کو امان دی گئی لیکن انہوں نے انکار کرتے ہوئے پکار پکار کر کہنا شروع کیا:

ہم دنیا میں امان میں ہیں لیکن ہم آخرت کی امان کے لئے باہر نکلے ہیں یہاں تک کہ بجز چند آدمیوں کے سب قتل ہوگئے۔

مبارک ہیں وہ 'توابین' کہ جن کو اس کی ندامت ہوئی کہ حسینؑ کا خون ان کے پڑوس میں بہایا گیا اور وہ مدد نہ کرسکے۔ اب وہ سوائے اس کے کہ قاتلان حسینؑ کو قتل کریں یا لڑتے لڑتے خود ہلاک ہوجائیں کر ہی کیا سکتے تھے۔

(سلسلۂ اشاعت امامیہ مشن، لکھنؤ، نمبر ۲۶ ۳ر محرم ۱۳۸۰ھ)